سماج کی بیماریاں

اور ان کا علاج

بلال عبد الحی حسنی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ مطابق جون ۲۰۱۷ء

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

نام کتاب : سماج کی بیماریاں اور ان کا علاج

مصنف : بلال عبدالحی حسنی ندوی

تعداد اشاعت : ۱۰۰۰

صفحات : ۱۵۲

قیمت : Rs. 80

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

پیش لفظ ۵

باطنی امراض

تکبر ۹
حسد ۱۷
بغض وکینہ ۲۶
بدگمانی ۳۱
تجسس ۴۱
خودغرضی ۵۰
ریاکاری ۵۳

زبان کی بیماریاں

زبان کی بے احتیاطیاں ۶۲
جھوٹ ۶۷
غیبت ۷۶
بہتان ۸۵
چغل خوری ۸۸
برے ناموں سے پکارنا ۹۲
فحش گوئی ۹۶

مالی بیماریاں

دنیا کی محبت ۱۰۱
حرص وطمع ۱۰۹
بے ایمانی اور خیانت ۱۱۴
ناپ تول میں کمی ۱۲۰
سود ۱۲۳
رشوت ۱۴۰
وراثت کی غیر شرعی تقسیم ۱۴۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

سماج کے سدھار کے لیے آج جگہ جگہ پروگرام ترتیب دیئے جارہے ہیں، کارنر میٹنگوں کا سلسلہ بھی جاری ہے، یہ ایک قابل ستائش اقدام ہے، اصلاح معاشرہ کی سب سے بڑی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے، ان کے پاس اس کا پورا لائحۂ عمل موجود ہے، ان کی اس سلسلہ کی تمام کوششیں ضروری ہیں اور قابل تعریف ہیں، لیکن ان کوششوں کے جو مثبت نتائج سامنے آنے چاہئیں، بڑی حد تک وہ نتائج سامنے نہیں آتے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اندر سے جو روگ سماج کو لگ گئے ہیں ان کے علاج کی فکر کم سے کم کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر یہ کوششیں نقش بر آب ثابت ہوتی ہیں۔

معاشرہ افراد سے وجود میں آتا ہے، اس کی اصلاح افراد کے

صلاح سے وابستہ ہے، لوگوں میں اگر کوئی متعدی مرض پیدا ہو جائے تو وہ پورے معاشرہ کو متعفن کر دیتا ہے، بعض مرتبہ ایک فرد کی بیماری پورے معاشرہ کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے، اس لیے اصلاح معاشرہ کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ معاشرہ کا ایک ایک فرد اپنا جائزہ لے اور کم سے کم وہ بیماریاں جن کے اثرات دوسروں پر بھی پڑتے ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، ان میں بعض وہ بنیادی امراض ہیں جن سے پورا معاشرہ کرپٹ ہو رہا ہے، وہ اندر کی بیماریاں ہیں کہ بعض مرتبہ ان کا احساس بھی مشکل ہوتا ہے اور ان کے علاج میں بھی دشواری پیش آتی ہے، اس لیے ان کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے تاکہ یہ روگ جو معاشرہ کو لگ چکا ہے وہ زیادہ بڑھنے نہ پائے اور کسی ایسے خطرناک مرض کی شکل نہ اختیار کر لے جو لاعلاج ہو جائے۔

پیش نظر رسالہ ان ہی امراض کی نشاندہی کے لیے مرتب کیا گیا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ اللہ کا کوئی ایسا بندہ ہوتا جو ان امراض سے پاک ہوتا تو اس میں تاثیر ہوتی، مگر اس خیال سے یہ کام پورا کر لیا گیا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس گنہگار کی اصلاح کا ذریعہ بنا دے۔

میں عزیز گرامی مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ اللہ کا شکر گذار ہوں

اور ان کے لیے دعا گو ہوں کہ انہوں نے حسب سابق اس رسالہ کی تیاری میں بھی بڑی مدد کی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، اور اس کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ فرمائے۔ آمین

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مرکز الامام أبی الحسن الندوی، دار عرفات
تکیہ کلاں (رائے بریلی)

باطنی امراض

☆تکبر
☆حسد
☆بغض وکینہ
☆بدگمانی
☆تجسس
☆خودغرضی
☆ریاکاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تکبر

اندر کی بیماریوں میں جو بیماری کسی طرح کینسر سے کم نہیں اور جو انسان کو ہلاک کر کے چھوڑتی ہے وہ اندر سے اپنی بڑائی کا بے جا احساس ہے جس کو "تکبر" کہتے ہیں، بڑائی سب کی سب اللہ کے لیے ہے، وہ اس صفت میں کسی کی بھی شرکت کو پسند نہیں فرماتا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (القصص: ۸۳)

(جو زمین میں نہ بڑائی کے خواہش مند رہتے ہیں اور نہ فساد کے، اور انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہے)

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"العز ازاری والکبریاء ردائی فمن نازعنی بشئ منهما عذبته"(۱)

(۱) الأدب المفرد، کتاب المریض، باب الکبر: ۵۵۲

(عزت میرا ازار اور بڑائی میری چادر ہے جو مجھ سے اس کو کھینچنے کی کوشش کرے گا میں اس کو رگڑ کر رکھ دوں گا)

یہ فرعون وہامان اور اعداء اللہ کا شیوہ ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ (القصص: ٤)

(یقیناً فرعون نے زمین میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو اس نے ٹکڑیوں میں بانٹ دیا تھا، ان میں ایک گروہ کا اس نے زور گھٹا رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا یقیناً وہ فسادیوں میں سے تھا)

ایک مومن بندہ سراپا عجز و نیاز ہوتا ہے اور یہ عبدیت ہی اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے، اپنے محبوب ترین نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سب سے بڑھ کر جو مقام عزت کا تھا وہاں "عبد" کا لفظ استعمال فرمایا:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى﴾ (الاسراء: ١)

(پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی)

خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا حال یہ تھا کہ فتح کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نیاز بنے ہوئے تھے، جس اونٹ پر سوار تھے، کمال عبدیت سے سر مبارک جھکا جاتا تھا، لگتا تھا کہ آپ کی ٹھوڑی اس کے کوہان سے لگ جائے گی، ایک مرتبہ ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان پر کپکپی طاری ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسی ماں کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھایا کرتی تھی (۱) یہی وجہ تھی کہ جو ملنے آتا شروع میں اس پر رعب طاری ہوتا پھر جلد ہی وہ محبت میں تبدیل ہو جاتا۔

کسی نیکی کو انجام دے کر خوش ہونا اور بات ہے اور یہ پسندیدہ ہے، اس کی دعا کی گئی ہے:

"اللهم اجعلني من الذين اذا أحسنوا استبشروا" (۲)

(اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں بنا جو اچھا کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں)

اصل چیز جو ہلاک کرنے والی ہے وہ بڑائی کا احساس ہے، آدمی بڑے سے بڑا کام کرے، سینکڑوں بندگان خدا کو اس سے ہدایت ملے،

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الأطعمة، باب القديد: ۳۴۳۷

(۲) سنن ابن ماجة، كتاب الأدب باب الاستغفار: ۳۹۵۲

رات دن عبادت میں لگا رہے، لیکن اس میں کرنے والے کا کیا کمال ہے، حقیقت میں یہ اللہ کی توفیق ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ابلیس دھتکارا ہی اسی لیے گیا، ایک وقت تھا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ ہمہ وقت ذکر وعبادت میں مشغول تھا، جب اللہ نے آدم کا پتلہ خاکی تیار کیا اور اس میں جان پھونکی تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں، سب سجدہ میں گر گئے، ابلیس نے انکار کیا، ارشاد ہوا:

﴿أَبَى وَاسْتَكْبَرَ﴾ (البقرة: ٣٤)

(اس نے انکار کیا اور غرور میں جا پڑا)

یہ تکبر کی بیماری تھی جس نے اس کو ہلاک کر دیا، اللہ نے جب اس سے پوچھا اور چاہا کہ اس کا اظہار ہو کہ کیوں اس نے انکار کیا، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ فرماتا ہے:

﴿قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ☆ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ﴾ (ص: ٧٥-٧٦)

(فرمایا اے ابلیس جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے

بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا، کیا تیرے
اندر اکڑ پیدا ہوئی یا تو درجہ میں بڑا تھا، وہ بولا میں اس سے
بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے)
تو نے مجھے آگ سے بنایا اور انسان کو مٹی سے، یہ بڑائی کا احساس اسے لے ڈوبا، شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نہ جانے کتنے کفر میں جا پڑے، اور کتنوں نے صرف اس لیے بات نہ مانی کہ بات ماننے والے معمولی لوگ نظر آرہے تھے، بڑائی کا یہ احساس نہ جانے کتنی اور کیسی کیسی محرومیوں کا ذریعہ بنتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کا واقعہ ہے، جبلہ بن ایہم طواف کر رہا تھا، غلطی سے ایک بدو کا پیر اس کی لوٹتی ہوئی لنگی پر پڑا جس سے اس کا ازار کھل گیا، اس نے غصہ سے اس بدو کے چہرے پر اس زور سے مارا کہ اس کی آنکھ پھوٹ گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں مقدمہ پیش ہوا، انہوں نے قصاص کا فیصلہ کیا، جبلہ نے کہا کہ میں رئیس ہوں، یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ بدو ہم سے قصاص لے، حضرت عمر نے فرمایا: یہ اسلام کا نظام مساوات ہے، تم نے جو غلطی کی ہے اس کا بدلہ تو تم سے لیا جائے گا، الا یہ کہ بدو معاف کردے، یہ اس کا کبر تھا جس نے اس کو مارا، راتوں رات وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا۔(۱)

(۱) الوافی بالوفیات: ۲/٤

یہ احساس بڑائی پندار کی شکل میں ایسا گھر کر جاتا ہے کہ آدمی اس کو محسوس بھی نہیں کر پاتا، خاص طور پر اصحاب علم، دین دار اور دعوت کا کام کرنے والوں میں یہ مرض دیمک کی طرح لگ جاتا ہے، اور پھر آہستہ آہستہ چاٹتا چلا جاتا ہے، اس پندار کے نتیجہ میں آدمی کے اندر خود رائی پیدا ہو جاتی ہے، دوسروں کی تحقیر دل میں آنے لگتی ہے، اور یہ سب چیزیں اس کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

عام طور پر قبول حق کے راستہ میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ تکبر ہی ہے، فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کا انکار ہی اس لیے کیا کہ ان کے اندر تکبر تھا۔

﴿فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْماً عَالِيْنَ﴾ (المومنون: ٤٦)
(تو انھوں نے اکڑ دکھائی اور وہ بہت اونچے بننے والے لوگ تھے)

پیغمبروں کی دعوت سے انکار ان ہی لوگوں نے کیا جو ان کو کمتر سمجھتے تھے، اور اپنے آپ کو ان سے بڑا سمجھتے تھے، اور ان کو اس سے عار محسوس ہوتا تھا کہ جس کی بات معمولی لوگ مان رہے ہوں وہ بھی اس کی بات مان لیں، قرآن مجید میں اس کی تصویر کشی کی گئی ہے:

﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَراً مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ

الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ﴾ (ھود:۲۷)

(تو عزت دار لوگ بولے جو ان کی قوم میں منکر تھے کہ تم تو ہمیں اپنے جیسے انسان نظر آتے ہو اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تمہاری بات وہی لوگ مانتے ہیں جو ہم میں سب سے گھٹیا ہیں (اور وہ بھی) سطحی رائے قائم کر کے اور ہمیں اپنے اوپر تمہاری کوئی برتری نظر نہیں آتی بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تکبر کرنے والوں کے ساتھ انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ (المومن:۳۵)

(جو لوگ بھی اپنے پاس بغیر کسی دلیل کے آئے ہوئے اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے رہتے ہیں تو یہ اللہ کے یہاں بڑی ناراضگی کی بات ہے اور ایمان والوں کے یہاں بھی، اسی طرح اللہ ہر اکڑنے والے زبردستی کرنے والے کے دل پر مہر لگا دیتا ہے)

﴿لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ لَا

يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴾ (النحل:۲۳)

(کوئی فرق نہیں پڑتا یقیناً اللہ اس کو بھی جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور (اس کو بھی) جو وہ ظاہر کرتے ہیں بلاشبہ وہ بڑا بننے والوں کو پسند نہیں کرتا)

﴿قِيْلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (الزمر: ۷۲)

(کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اسی میں رہنے کے لیے بس اکڑنے والوں کا ٹھکانہ برا ہوا)

حدیث میں ہے:

"لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر"(۱)

(جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا)

یہ تکبر کسی بھی صورت میں ہو، طور طریق میں، لباس میں، انداز گفتگو میں، یا کسی بھی وجہ سے ہو، حسب ونسب، طاقت وقوت اور اعوان و انصار کی کثرت کی وجہ سے، اس کی ہر صورت انتہائی ناپسندیدہ ہے اور اس کا نتیجہ ذلت کے سوا کچھ نہیں۔

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء في الكبر: ۴۰۹۳

حسد

اس وقت سماج جن بیماریوں سے جوج رہا ہے اور جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ انتشار کا شکار ہے، ان میں ایک بڑی بیماری ''حسد'' ہے، یہ ایسی بیماری ہے کہ اس میں مبتلا ہونے والا شخص خود ہی اس کی آگ میں جلتا ہے، اور کسی کل اس کو چین نصیب نہیں ہوتا، ہر وقت وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کوئی پنپنے نہ پائے، کسی کی ترقی وہ دیکھ نہیں سکتا، اور دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے وہ ہر تدبیر کرتا ہے، اس کے نتیجہ میں پورا سماج کرپٹ ہوتا جاتا ہے، آہستہ آہستہ خیر کے راستے بند ہوتے جاتے ہیں اور پھر برائیاں پھیلنے لگتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اگر کسی کو اپنے فضل خاص سے نوازتا ہے اور دین و دنیا کی بھلائیاں اس کو عطا فرماتا ہے تو اس کو دیکھ کر کئی طرح کے خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں، کبھی تو آدمی اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس کی ترقی کے لیے دعا گو ہوتا ہے، یہ بڑی قابل تعریف صفت ہے اور کبھی دل

میں ان نعمتوں اور فضل وکمال کو حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور اس کے دل کے نہاں خانہ میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ یہ فضل صاحب فضل سے چھن جائے، ظاہر ہے کہ یہ جذبہ منافست ومسابقت بہت مبارک ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے:

﴿وَفِيْ ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْن﴾(المطففين: ٢٦)

(اور یہ ہے وہ چیز جس میں مقابلہ کرنے والوں کو آگے آنا چاہیے)

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (المائدة: ٤٨)

(بس تم خوبیوں کی طرف لپکو)

اور یہی وہ رشک شدید ہے جس کو ایک حدیث میں ''حسد'' سے تعبیر کردیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"لا حسد الا فی اثنتین، رجل آتاه اللّٰه مالا فسلطه علی هلکته فی الحق، وآخر آتاه اللّٰه حکمة فهو یقضی بها ویعلمها"(١)

(دو لوگ ہی ایسے ہیں کہ امت میں انتہائی قابل رشک ہیں؛ ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اس کے خرچ کرنے پر اس نے اس کو مسلط کردیا اور ایک وہ جس کو اللہ نے علم و

(١) البخاری، کتاب الأحکام، باب أجر من قضی بالحکمة: ٧١٤١

حکمت سے نوازا جس سے وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے اور دوسروں کو وہ علم دیتا ہے)

یہ دو نعمتیں اس قابل ہیں کہ ان کی تمنا کی جائے اور ان کو حاصل کرنے میں جذبہ مسابقت ہو۔

کبھی کسی خاص نعمت کو دیکھ کر وہی مخصوص نعمت حاصل کرنے کا جذبہ دل میں انگڑائی لیتا ہے، مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کسی سے دین کی کوئی خاص خدمت لے رہا ہے، کوئی شخص اس کو دیکھ کر سوچے کہ یہی کام اس مخصوص شکل کے ساتھ میں بھی کروں اور اس میں دوسرے کے لیے زوال نعمت کا جذبہ بھی نہیں ہے، اس لیے یہ تمنا بھی کی جاسکتی ہے لیکن یہ پسندیدہ نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

(النساء: ۳۲)

(اور اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر جو بڑائی دی ہے اس کی ہوس میں مت پڑو)

البتہ اس کے مثل وہ چاہے تو حرج نہیں، آگے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (النساء: ۳۲)

(اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو)

دو شکلیں اس میں ایسی بنتی ہیں جو نہایت مذموم ہیں اور ان کو حسد کہا جاتا ہے، ایک تو یہ کہ کسی پر نعمت دیکھ کر خیال پیدا ہو کہ یہ نعمت اس سے چھن کر مجھے مل جائے، یہ حسد ہے اور یہ بدترین گناہ ہے، اور اسی حسد کی مذموم ترین شکل یہ ہے کہ آدمی دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے، یہ ذلیل ہو جائے، ہم کو یہ نعمت ملے یا نہ ملے، یہ ایسا غیر اسلامی ہی نہیں غیر انسانی جذبہ ہے جو آدمی کو جانور بنا دیتا ہے، پھر وہ اپنے اس جذبہ کے لیے ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ ان کو دیکھ کر انسان شرما جائے، اس کے نتیجہ میں وہ کسی بھی اوچھی سے اوچھی حرکت کرنے سے نہیں چوکتا، اور "خسر الدنیا والآخرۃ" کا مصداق بنتا ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس میں مبتلا شخص کے لیے سخت کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اسلام کے اجتماعی نظام صلاح و اصلاح سے اس کا کوئی جوڑ نہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایاکم والظن فان الظن أکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تباغضوا وکونوا عباد اللّٰہ اخوانا"(۱)

(بدگمانی سے بچو، چونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے،

(۱) البخاری، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن التحاسد: ٦٠٦٤

اور تم ٹوہ میں نہ پڑو اور ایک دوسرے کے عیوب نہ معلوم کرو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے بے تعلقی اختیار کرو اور نہ آپس میں بغض کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو)

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایاکم والحسد فان الحسد یأکل الحسنات کما یأکل النار الحطب"(۱)

(حسد سے بچو اس لیے کہ حسد کی آگ، نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو)

انسانیت کا پہلا قتل اسی حسد کا نتیجہ تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ قرآن مجید نے نقل کیا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ☆ لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ☆ إِنِّي أُرِيدُ أَن تَبُوءَ بِإِثْمِي

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في الحسد: ٤٩٠٥

وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ☆ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (المائدۃ: ۲۷-۳۰)

(اور آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک ان کو سنا دیجیے جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو وہ بولا کہ میں تو تمہیں قتل کر کے رہوں گا (پہلا) بولا کہ اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول فرماتے ہیں، اگر تم نے میرے قتل کے لیے ہاتھ بڑھایا بھی ہو تو میں تمہیں قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھا سکتا میں تو اس اللہ سے ڈرتا ہوں جو جہانوں کا پالنہار ہے، میں چاہتا ہی ہوں کہ تم میرے گناہ کا اور اپنے گناہ کا (دونوں کا) بوجھ اٹھاؤ پھر دوزخ والوں میں شامل ہو جاؤ اور ظالموں کی سزا یہی ہے، غرض اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا تو اس نے اس کو مار ڈالا بس وہ گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو گیا)

قابیل کو قتل پر آمادہ کرنے والا اس کا یہ جذبہ حسد تھا، ہابیل کی قربانی کیوں قبول ہوئی اور ہماری کیوں نہ قبول کی گئی؟ اس نے اپنی

کوتاہی پر غور نہ کیا بلکہ بھائی کی ترقی کو دیکھ کر جل گیا، اور اس حسد نے اس کو قتل پر آمادہ کر دیا۔

یہ یہودیوں کی خاص صفت رہی ہے اور اسی بیماری نے ان کو تباہ کیا، وہ جانتے تھے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں، نبی برحق ہیں، تورات میں جو نشانیاں آپ ﷺ کے لیے بیان ہوئی تھیں، ان کو انہوں نے دیکھ لیا تھا، پرکھ لیا تھا، مگر محض حسد کی بنا پر انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اس کے نتیجہ میں مغضوب علیہم قرار دیئے گئے، اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اور غضب کے مستحق ٹھہرے، اللہ تعالیٰ نے ان کے حسد کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾

(النساء: ٥٤)

(کیا یہ لوگوں سے اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو کیوں اپنے فضل سے دے رکھا ہے)

ان کی یہی تمنا تھی کہ مسلمان بھی اس دولت سے محروم کر دیئے جائیں۔

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم﴾ (البقرة: ١٠٩)

(اہل کتاب میں سے بہت سے (لوگ) محض اپنے جی کے

حسد کی بنا پر یہ خواہش رکھتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے
ایمان لانے کے بعد کافروں میں پلٹا دیں)

حسد کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، کبھی محض بغض وعداوت کی وجہ سے حسد پیدا ہوتا ہے، آدمی اپنے دشمن کے بارے میں سوچتا ہے کہ وہ ذلیل ہو، اس کی نعمتیں چھن جائیں اور اکثر اس کا سبب ناحق فخر وغرور ہوتا ہے کہ پھر آدمی اپنی بڑائی کے آگے کسی کو آگے بڑھتا دیکھ نہیں سکتا، اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ دو آدمی ایک طرح کا کام کرتے ہیں، ایک آگے بڑھ جائے تو دوسرے کو حسد پیدا ہونے لگتا ہے، اور کبھی انتہائی خبث باطن اس کا سبب ہوتا ہے، بعض لوگ ایسے بدطینت ہوتے ہیں کہ جب کسی کو اچھے حال میں دیکھتے ہیں تو ان کو ناگوار ہوتا ہے اور کسی پر مصیبت آتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ یہ ایک بدترین شر ہے جس سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے:

﴿وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ (الفلق:۵)

(اور حسد کرنے والے کے شر سے جب بھی وہ حسد کرے)

یہ بیماری اسلام کے مزاج ونظام اخلاق کی ضد ہے، لیکن ایسی بیماری ہے کہ بہت کم لوگ اس سے بچ پاتے ہیں، دل میں ایسے خیالات آ ہی جاتے ہیں، حدیث میں آنحضور ﷺ نے اس کا ایک علاج یہ بتایا ہے کہ خیال پر عمل نہ کیا جائے، مصنف عبدالرزاق کی ایک حدیث میں آتا ہے:

"جب حسد پیدا ہو تو ظلم پر آمادہ نہ ہو جاؤ"۔(۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے:

"ان اللّٰہ تعالیٰ تجاوز عن أمتی ما حدثت به أنفسها مالم تعمل أو تتکلم"(۲)

(اللہ تعالیٰ نے ہماری امت سے جو سینوں میں پیدا ہونے والے وسوسے ہیں ان کو معاف کر دیا، جب تک ان پر عمل پیرا نہ ہو یا ان کا اظہار نہ کر دیا جائے)

آنے والے ایسے نامناسب خیالات کو فوراً دبا دیا جائے، اور ہر ایک کی نعمت پر خوش ہونے کی کوشش کی جائے، ایک حدیث میں اس کا یہ علاج بھی بتایا گیا کہ حاسد محسود کے لیے دعا کرے، اگر دل سے نہ نکلتی ہو تو بھی زبان سے کرے، تو انشاء اللہ آہستہ آہستہ یہ بیماری نکلتی جائے گی۔

بہر حال یہ ایسی بیماری ہے جو سماج کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتی ہے، ہر صاحب ایمان کی ذمہ داری ہے کہ اس کو دور کرنے کی کوشش کرے اور آہستہ آہستہ اپنے دل کو صاف کرتا چلا جائے، تاکہ یہ دل نور الٰہی کا محور و مسکن بن سکے اور اللہ کی رضا اور جنت کی طلب اس کو حاصل ہو۔

(۱) مصنف عبد الرزاق، کتاب أهل الکتابین، باب الطیرة: ۱۹۵۰۴

(۲) البخاری، کتاب الطلاق، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ: ۵۲۶۹

بغض وکینہ

دل میں عداوت کا جو بیج پڑ جاتا ہے اگر اس کو نکالا نہ جائے تو یہ "بغض وکینہ" کی شکل اختیار کر جاتا ہے، یہ بات انسانی نفسیات میں داخل ہے کہ اگر ایک انسان کو کسی دوسرے انسان سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک طرح کی دراڑ پڑ جاتی ہے، اگر اس کو دور نہ کیا جائے تو یہی بغض وعداوت کی شکل ایک ایسی خلیج بن جاتی ہے کہ اس کو پاٹنا مشکل ہو جاتا ہے، اسی لیے یہ حکم ہے کہ اگر کسی سے شکر رنجی ہوگئی اور دل میں دراڑ پڑ گئی تو فوراً اس کو دور کر لیا جائے تاکہ بات آگے بڑھنے نہ پائے، اور ایسی صورت نہ بننے پائے کہ پھر دلوں کا ملنا مشکل ہو جائے۔

اسلام میں جو چیز نہایت ناپسندیدہ ہے وہ دلوں کا توڑ اور اس کے نتیجہ میں بغض وعداوت کا وہ سلسلہ ہے کہ پھر وہ ختم ہونے کو نہیں آتا، اور یہیں سے پھر آپس کی لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں، جو کبھی کبھی اتنی آگے بڑھ جاتی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے، اور

مقدمہ بازیاں کرنا، دوسرے کو زک دینے کی کوشش کرنا ایک عام بات بن جاتی ہے، یہ اس وقت مسلمانوں کا ایک عمومی مرض ہے، اس میں کبھی کبھی اچھے اچھے دین دار بھی مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر پورا معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صالح اور خوبصورت اسلامی ماحول کی تشکیل فرمائی، اور ان تمام برائیوں سے روکا جو سماج کو بگاڑنے والی ہیں، حسد کے باب میں وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں سے روکا ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ

"ولا تباغضوا ولا تدابروا و کونوا عباد اللّٰہ اخوانا"(۱)

(ایک دوسرے سے بغض مت کرو اور نہ ایک دوسرے کو بے یار و مددگار چھوڑو اور اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر میں جہاں حضرات مہاجرین و انصار کی تعریف فرمائی اور اس کے بعد ان کے راستہ پر چلنے والوں کا ذکر فرمایا تو ان کی اس خوبی کا تذکرہ کیا کہ وہ یہ دعا کرتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب یا أیها الذین آمنوا: ٦٠٦٦

وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

(الحشر: ۱۰)

(اور جو ان کے بعد آئے، وہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان میں ہم سے آگے گئے اور ایمان والوں کے بارے میں ہمارے دلوں میں کچھ بھی کپٹ نہ رکھ، یقیناً تو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے)

بغض وکینہ ایسی مذموم حرکت ہے کہ مغفرت عامہ کے وقت بھی کینہ رکھنے والے لوگ اس سے محروم کر دیئے جاتے ہیں، کئی حدیثوں میں آتا ہے کہ ہر دوشنبہ اور جمعرات کو انسانوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو جس نے خدا کے ساتھ شریک نہیں کیا اس کو معاف کیا جاتا ہے، لیکن جن دو آدمیوں میں کینہ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو، میل کرلیں۔(۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کی تشریح میں ایک حدیث اور پیش کی ہے جو طبرانی کی ہے کہ جمعرات اور دوشنبہ کو اعمال پیش کیے جاتے

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهی عن الشحناء: ۶۷۰۹

ہیں، جس نے مغفرت مانگی ہو اس کو مغفرت دی جاتی ہے، جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن کینہ رکھنے والوں کے اعمال ان کے کینہ کے سبب لوٹا دیئے جاتے ہیں، جب تک وہ اس سے باز نہ آئیں۔(۱)

کبھی اگر آپ ﷺ کے سامنے کسی کی شکایت ہوتی تو آپ فرماتے کہ میرے صحابہ کی میرے سامنے شکایت مت کرو، میں نہیں چاہتا کہ میں کسی سے اس حال میں ملوں کہ میرے دل میں کسی کے بارے میں میل ہو(۲) چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا جنہوں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی تھی:

"یا بنی ان قدرت علی أن تصبح و تمسی ولیس فی قلبك غش لأحد فافعل فان ذلك من سنتی و من أحب سنتی فقد أحبنی و من أحبنی کان معی فی الجنة"(۳)

(بیٹے! اگر تمہارے بس میں ہو کہ تم صبح وشام اس حال میں

(۱) سیرۃ النبی:۶/۴۶۰ (۲) سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی رفع الحدیث من المجلس: ۴۸۶۲ (۳) سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة: ۲۸۹۴

کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے بارے میں میل نہ ہو تو ایسا ضرور کرو اس لیے کہ یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرا طریقہ پسند کرتا ہے وہ گویا مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)

دل میں کسی کے لیے میل آجانا، کھونٹ پیدا ہوجانا بھی آنحضور ﷺ کو پسند نہیں تھا، چہ جائیکہ کینہ و کپٹ پیدا ہو، آپ ﷺ نے یہاں تک فرمادیا کہ تین شخصوں کی بخشش نہیں، ان میں آپ ﷺ نے اس کا بھی ذکر فرمایا جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہے۔(۱)

(۱) الأدب المفرد، بخاری، باب الشحناء: ٤١١

بدگمانی

ان مہلک بیماریوں میں ایک خطرناک مرض "بدگمانی" ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (الحجرات:۱۵)

(اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں)

بدگمانی ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدگمانی کرنے والے کو ہر ایک کے کام میں برائی ہی نظر آنے لگتی ہے، نہ اس کو کسی کی نیت ٹھیک نظر آتی ہے اور نہ کسی کا کام صحیح نظر آتا ہے، جس کے نتیجہ میں آپس میں نفرتیں پیدا ہونے لگتی ہیں، اور دلوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔

یہ بات انسان کی نفسیات میں داخل ہے کہ وہ عام طور پر جلدی

بدگمان ہوجاتا ہے، برے خیالات اس کو گھیر لیتے ہیں، کسی کے بارے میں اچھا گمان کرنا اس کے لیے قدرے مشکل ہوتا ہے، آیت شریفہ میں اسی لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اکثر گمان سے بچو پھر اس کی وجہ بیان فرمادی کہ بعض گمان گناہ کی حد تک پہونچ جاتے ہیں، کسی کے بارے میں اچھا گمان کرنا آدمی کے لیے عام طور پر نقصان دہ نہیں ہوتا لیکن بدگمانی کے اثرات بعض مرتبہ بہت ہی سخت ہوتے ہیں اسی لیے بہتر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کے بارے میں معلومات پوری طرح نہ ہوں تو اس کے بارے میں اچھا گمان رکھے، کسی برے شخص کے بارے میں اگر اچھا گمان ہے تو قیامت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تو نے برے کو اچھا کیوں سمجھا لیکن اگر کسی اچھے شخص کے بارے میں برا گمان ہے تو قیامت میں اس کی گرفت ہوگی، تاہم اچھا گمان رکھنے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بغیر تحقیق کے اس سے معاملات شروع کردے۔

اگر اچھے گمان کے نتیجہ میں اس سے معاملہ کیا اور وہ فی نفسہٖ اچھا انسان نہ ہوا تو معاملہ کرنے والا دھوکہ کھاسکتا ہے، دھوکہ دینا تو بدترین گناہ ہے ہی، دھوکہ کھانا بھی فراست ایمانی کے منافی ہے، حدیث میں آتا ہے:

"لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین"(۱)

(۱) صحیح البخاری، باب لا یلدغ المؤمن من جحر/۶۱۳۳

(مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا)

اگر ایک مرتبہ دھوکہ ہو بھی جائے تو دوسری مرتبہ وہ دھوکہ نہیں کھاتا، اسی طرح اگر کسی سے دینی مسائل میں استفادہ کرنا ہے تو بھی بہتر یہی ہے کہ اس کے بارے میں اچھی طرح سے معلومات حاصل کرلی جائیں اور اچھی طرح پرکھ لیا جائے، قرون اولیٰ میں یہ مقولہ لوگوں کی زبان پر تھا:

"إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم"(۱)

(یہ علم دین ہے تو اچھی طرح دیکھ لو کہ تم دین کس سے حاصل کررہے ہو)

کسی سے اگر معاملہ کرنا ہو، وہ معاملہ دنیوی ہو یا دینی اس سے فوراً خوش اعتقاد ہوجانا اور بغیر تحقیق کے اچھا گمان کرکے معاملہ کرلینا بھی دینی مزاج کے خلاف ہے اور بعض مرتبہ اس کے بڑے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں، اس لیے سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھا جائے لیکن اگر کسی قسم کا لین دین کرنا ہو یا دین حاصل کرنا ہو تو جب تک اچھی طرح تحقیق نہ کرلی جائے اس وقت تک معاملہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی دوسرے کے سامنے اس کی گواہی دی جائے تاکہ کوئی دوسرا بھی دھوکہ میں نہ پڑے، کسی نے حضرت عمرؓ کے

(۱) مسلم، باب فی أن الاسناد من الدین/۲۶

سامنے کسی کی تعریف کی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ تم یہ بات یقینی طور پر کیسے کہہ رہے ہو، کیا تمہیں اس سے کسی لین دین کا سابقہ پڑا ہے یا تم نے اس کے ساتھ طویل عرصہ گذارا ہے؟(۱) بغیر اس کے تم کسی کے بارے میں یقین کے ساتھ ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہو!

یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ دو باتیں الگ الگ ہیں، اچھا گمان کرنا الگ بات ہے لیکن اس کی بنا پر معاملہ کر لینا الگ بات ہے، جب تک برائی کا علم یقینی طور پر نہ ہو جائے اس وقت تک اچھا گمان رکھنے کا حکم ہے، لیکن بغیر تحقیق کے معاملہ کر لینے میں نقصان کے خطرات ہیں۔

امام ابوداؤدؒ، حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"حسن الظن من حسن العبادة"(۲)

(اچھا گمان کرنا اچھی عبادت میں سے ہے)

اگر ناحق بدگمانی کی ہے تو یہ اس کے حق میں وبال ہے، اور اس کے بارے میں سخت سے سخت روایات وارد ہیں، اس کے نقصانات دنیا میں بھی بہت ہیں، بعض مرتبہ بدگمانی کی بنا پر انسان بہت کچھ خیر سے محروم

(۱) سبل السلام، باب شهادة البدوی/۱۳۱۷، جامع الاحادیث للسیوطی/۳۰۲۵٤، کنز العمال/۱۷۷۹۸

(۲) أبو داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الظن/٤۹۹۵

رہتا ہے، عالم کو جاہل سمجھ رہا ہے تو اس کے علم سے محروم ہوگا، کوئی ایسا شخص جو اس کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے اس کو صحیح راستہ بتا سکتا ہے اس کو وہ گمراہ سمجھ رہا ہے اور بغیر تحقیق کے اس سے بدگمانی کا شکار ہے تو وہ اس کی رہنمائی سے محروم رہے گا، کوئی بھی اس کو نفع پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کا خیر خواہ ہے لیکن وہ اس کے بارے میں بدگمان ہے تو اس کے ہر طرح کے فائدے سے دور رہے گا۔

بدگمانی کی مذکورہ بالا شکلیں تو وہ ہیں کہ جن کا نقصان انفرادی طور پر خود بدگمانی کرنے والے کو ہو رہا ہے، لیکن عام طور پر بدگمانی کرنے والا اقدام اور انتقام پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس کے نتائج پورے معاشرہ کو بھگتنے پڑتے ہیں، بدگمانی کی جو بھی نوعیت ہو اس کے اعتبار سے بدگمانی کرنے والا آگے بڑھتا ہے، اور بات قتل وغارت گری تک پہنچ جاتی ہے، اس میں عام طور پر غلط فہمیوں کو دخل ہوتا ہے، آدمی کسی کے بارے میں کوئی بات سن کر یا کچھ دیکھ کر ایک رائے قائم کر لیتا ہے، اس کے بعد بات بڑھتے بڑھتے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، اس مرض کے نقصانات محدود نہیں رہتے عام طور پر متعدی ہوتے ہیں، اسی لیے اس کی سخت نکیر کی گئی ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں میں خیر کا پہلو تلاش کیا جائے، حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اگر تمہارا مومن بھائی کوئی بات کہتا ہے اور اس کو خیر

پر محمول کیا جاسکتا ہے تو تم برا خیال مت لاؤ اور اس کو خیر ہی پر محمول کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دسیوں حدیثیں منقول ہیں جن میں بدگمانی سے روکا گیا ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث"(۱)

(بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو خطاب کر کے فرمایا: تو کیا خوب ہے اور تیری خوشبو بھی کیسی پاکیزہ تر ہے، تو کیسا عظیم ہے اور تیری حرمت کیسی عظیم تر ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، ایک مومن کی حرمت تجھ سے بڑھ کر ہے، اس کا خون اور اس کا مال، اور یہ کہ اس کے بارے میں اچھا ہی گمان کیا جائے۔(۲)

اگر کسی کے بارے میں برے خیالات پیدا ہوں اور بدگمانی کی صورت پیدا ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علاج بھی ایک حدیث میں تجویز فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں: "تین چیزیں میری امت کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتیں، فال، حسد اور بدگمانی۔" سوال کیا گیا کہ ان کے برے نتائج سے کیسے حفاظت ممکن ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبة أخیه:۵۱۴۳

(۲) ابن ماجه، کتاب الفتن، باب حرمة دم المومن و ماله/۴۰۶۷

"اگر حسد پیدا ہو جائے تو اللہ سے استغفار کرو، اگر بدگمانی پیدا ہو تو عمل اس کے مطابق نہ کرو (اور اس کو ذہن سے نکال دو) اگر فال ہو تو بھی فال بد کی وجہ سے عمل ترک مت کرو"(۱)

کسی کے بارے میں محض خیالات کا آجانا قابل مواخذہ نہیں ہے، ایک حدیث میں آتا ہے:

"إن اللّٰہ تجاوز عن أمتی ما وسوست به صدورها ما لم تعمل أو تکلم"(۲)

(اللہ تعالیٰ نے میری امت کے وسوسوں کو معاف کر دیا جب تک وہ وسوسوں کی حد تک رہیں اور ان کو دور کیا جاتا رہے)

اگر اس پر عمل شروع ہو گیا اور گفتگو کی جانے لگی اور ذہن میں وہ چیز بیٹھنے لگی تو اس پر مواخذہ ہوگا اسی لیے آنحضرت ﷺ نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ اگر برے گمان پیدا ہونے لگیں تو ان کو باقی نہ رکھا جائے۔

یہ مرض عام طور پر ہم مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ دوسروں کے معائب پر نگاہ رہتی ہے اور ذرا سی بات بھی بہت بڑی نظر آتی ہے، یہ مثل

(۱) جامع الاحادیث للسیوطی/۱۳، ۴۵۰

(۲) البخاری، کتاب العتق، باب الخطأ والنسیان ۲۵۲۸

پوری طرح ہم پر صادق آتی ہے کہ اپنی آنکھوں کے شہتیر نظر نہیں آتے لیکن دوسروں کی نگاہوں کے تنکے نظر آجاتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک مرتبہ کسی کا ذکر آیا تو بعض لوگوں نے جو واقفیت رکھنے والے تھے ان کے بارے میں کہا کہ وہ بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔'' (۱)

بڑے گناہوں کے پائے جانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک نیکی کا ذکر فرمایا اور یہ سبق دے دیا کہ مجلسوں میں اس طرح اگر کسی کا ذکر آئے تو ذکرِ خیر ہی بہتر ہے، بعض مرتبہ ایک نیکی اللہ کی بارگاہ میں ایسی قبول ہوجاتی ہے کہ بڑے بڑے گناہوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے، بدگمانی کرنے والے کے اندر عام طور پر اپنی بڑائی کا احساس بھی پیدا ہونے لگتا ہے اور یہ چیز اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، مسئلہ صرف بدگمانی ہی کا نہیں بلکہ اگر کسی کے اندر خرابی موجود ہے اور اس کی نکیر کرنی ہے تو بھی اگر ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جس میں اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا ہو، تو اللہ کی ذات بہت غنی ہے معاملہ بالکل الٹ سکتا ہے، ایک حدیث میں دو دوستوں کا واقعہ بیان ہوا ہے، ان میں سے ایک متقی پرہیزگار تھا، دوسرا برائیوں میں مبتلا ہوجایا کرتا تھا، اس کا نیک دوست اس

(۱) البخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن..... / ۶۷۸۰

کو سمجھا تا رہتا تھا مگر اس سے برائیاں چھوٹتی نہ تھیں، ایک دن غصہ میں آکر اس کا نیک دوست کہنے لگا تو جنت میں کبھی نہیں جاسکتا، تیرا ٹھکانہ تو جہنم ہی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ بات پسند نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ تو کون ہوتا ہے اس کو جنت سے روکنے والا، میں تجھے جہنم میں بھیج دوں گا اور اس کو جنت میں داخل کروں گا۔(۱)

اس واقعہ میں ایک طرف اپنی بڑائی کا احساس ہے، اور دوسری طرف مخاطب کو حقیر سمجھا جارہا ہے، اس پر اتنی سخت پکڑ ہوگئی، اگر صرف بدگمانی کی بنا پر کسی کو ذلیل اور کمتر سمجھا گیا اور اپنے قول وفعل سے اس کا اظہار بھی کیا گیا تو کیسے سخت گناہ کی بات ہے، اور پھر جب اس کے بدترین نتائج معاشرہ کے سامنے آئیں گے تو معاشرہ کیسا کرپٹ ہوتا چلا جائے گا یہ ہر تجزیہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے۔

یہ بات بھی خاص لحاظ کرنے کی ہے کہ اول تو کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ دوسروں کو بدگمانی کا موقع ملے، حدیث میں آتا ہے کہ

"اتقوا مواضع التهم"

(تہمت کی جگہوں سے بچو)

(۱) البيهقي، شعب الايمان، فصل فيما ورد من الاخبار في التشديد على من اقترض/٦٤١٣

یہ بات آنحضور ﷺ نے اس لیے بھی فرمائی کہ کسی کو بدگمانی کا موقع نہ ملے، دوسری بات یہ کہ اگر کوئی ایسی حالت میں ہے کہ دوسرا بدگمان ہوسکتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس بدگمانی کو دور کردے تاکہ وہ فتنہ میں نہ پڑے، اس کی مثال خود آنحضور ﷺ نے پیش فرمائی؛ ایک مرتبہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے، رات کو ازواج مطہرات میں سے کوئی آپ سے ملنے آئیں، واپسی میں آپ ﷺ ان کو چھوڑنے کے لیے چلے، اتفاقاً دو انصاری اچانک پہنچ گئے، اور آپ ﷺ کو اس حال میں دیکھ کر تیزی سے واپس پلٹنے لگے، آپ ﷺ نے ان کو آواز دے کر بلایا اور فرمایا کہ یہ میری اہلیہ ہیں، انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے ساتھ بدگمانی کرسکتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔(۱)

(۱) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب أنه یستحب لمن .....: ۵۸۰۷

تجسس

سورۂ حجرات میں بدگمانی کے بعد جس دوسری بیماری کا ذکر ہے وہ تجسس ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَجَسَّسُوا﴾ ''اور نہ ٹوہ میں رہو''

آدمی جب کسی سے بدگمان ہوتا ہے تو اس کی ٹوہ میں پڑتا ہے، اس کی نقل وحرکت پر اس کی نگاہ ہوتی ہے، اس کے پیچھے وہ اپنے جاسوس لگا دیتا ہے، اور پھر اس کی اچھائیاں بھی اس کو برائیوں کی شکل میں نظر آنے لگتی ہیں، جاسوس، تجسس ہی سے بنتا ہے، بڑے پیمانہ پر جب یہ کام ہوتا ہے تو جاسوسی کا پورا نظام شروع ہو جاتا ہے، کسی ایمان والے فرد یا جماعت کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنے ایمانی بھائیوں کے عیوب تلاش کرے، عیوب ہر ایک کے اندر ہوتے ہیں، کسی کے اندر معمولی اور کسی کے اندر زیادہ، اسلامی حکم یہ ہے کہ آدمی عیوب سے چشم پوشی کرے اور

بھلائیوں سے فائدہ اٹھائے، ہاں ان لوگوں کے لیے جو خدا کے باغی ہیں اور اسلام کے دشمن ہیں، ان کے مکائد سے مطلع ہونے کے لیے جاسوسی کرنا یا کرانا جنگی حکمت عملی ہے تاکہ ان کی کمزوریوں سے واقف ہوکر ان پر قابو پایا جاسکے، اور دنیا کو ان کے شر سے بچایا جاسکے۔

ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، امیر ہو یا غریب، چھوٹا ہو یا بڑا، عبادت گذار اور شب بیدار ہو یا گناہ گار، وہ ایک دوسرے کی کرید میں نہیں پڑتے، ہر ایک کے لیے خیر خواہی کرنا ان کا مزاج ہونا چاہیے، یہ امت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے، وہ کسی کو نیچا دکھانے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے، دوسروں کے لیے وہ وہی پسند کرتے ہیں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں، وہ دوسروں کی برائیاں تلاش نہیں کرتے اور اگر کوئی برائی سامنے آجاتی ہے تو اس کے اندر اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، کسی کی تحقیر وتذلیل کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا، مشہور حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے افراد کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:

"إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ إخوانا"(۱)

(۱) مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن والتجسس/۶۷۰۱

(بدگمانی سے بچو، اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، نہ تجسس میں پڑو، نہ ٹوہ میں لگو اور نہ (دنیا میں) منافست کرو، نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ بغض کرو اور نہ منہ موڑو اور اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہو)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"إنك إن اتبعت عورات الناس أفسدتهم أو كدت أن تفسدهم"(۱)

(اگر تم لوگوں کے پوشیدہ معائب کے پیچھے پڑو گے تو ان کو بگاڑ ہی دو گے یا بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے)

ایک دوسری حدیث امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"إن الأمير إذا ابتغى الريبة فى الناس أفسدهم"(۲)

(امیر جب لوگوں میں شبہ کی باتیں تلاش کرے گا تو ان کو بگاڑ کر چھوڑے گا)

(۱) ابوداؤد، كتاب الادب، باب فى النهى عن التجسس/ ٤٨٩٠

(۲) ابوداؤد، باب فى النهى عن التجسس/ ٤٨٩١

حدیثوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو برائیاں کھلی ہوئی ہوں ان پر نکیر کی جائے اور کھل کر ان سے روکا جائے لیکن جن برائیوں کا لوگوں کو علم نہیں ان کو کرید کرید کر عام نہ کیا جائے، اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ برائیاں پھیلنے لگتی ہیں، سماج میں بگاڑ پیدا ہونے لگتا ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے:

"کل أمتی معافی إلا المجاهرین"(۱)

(میری کل امت کو معاف کیا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو گناہوں کا چرچا کرتے ہیں)

جب حدیث میں اپنے گناہوں کو چھپانے کا حکم ہے تو دوسروں کے معائب کو اچھالنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے، اسی لیے ہر ایک کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دوسروں کی ٹوہ میں رہے اور نہ اس کے اندرونی حالات کے جاننے کا چکر چلائے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"یا معشر من قد أسلم بلسانه ولم یفض الإیمان فی قلوبه لا تؤذوا المسلمین ولا تعیروهم ولا تتبعوا

(۱) البخاری، کتاب الادب، باب ستر المؤمن علی نفسه/۶۰۶۹

عوراتهم فإن من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته ومن تتبع الله عورته يفضحه ولو في جوف رحله"(۱)

(اے وہ لوگو! جو زبان سے تو اسلام لے آئے ہو لیکن دلوں میں اسلام نہیں اترسکا، مسلمانوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ، ان کو عار مت دلاؤ، اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو، جو بھی اپنے (مسلمان) بھائی کے عیب کے پیچھے پڑے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا اور اللہ تعالیٰ اگر کسی کے عیب کے پیچھے لگ جائے تو اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا خواہ وہ کجاوے کے اندر ہی (چھپا) کیوں نہ ہو)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے عیوب کی تلاش میں وہی لوگ پڑتے ہیں جو دل کے مریض ہوتے ہیں، ایمان کے حقیقی نور سے ان کے دل خالی ہوتے ہیں، اللہ کو اپنے مومن بندوں سے پیار ہے، اگر کوئی ان کو ایذاء پہنچاتا ہے بے ضرورت عار دلا کر، ان کے پوشیدہ عیوب کے پیچھے لگ کر، تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو نہیں چھوڑتے:

"الجزاء من جنس العمل"

(۱) الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المومن/۲۱۶۴

(جیسی کرنی ویسی بھرنی)

جو دوسروں کو ذلیل کرنے کی مذموم کوشش کرے گا وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر کے چھوڑیں گے۔

ایک حدیث میں ناحق کسی مسلمان کی بے آبروئی کو بدترین سود قرار دیا گیا(۱) اس کے بالکل برخلاف اگر کوئی عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے، اول تو عیوب کی تلاش میں نہیں رہتا اور اگر کبھی کسی کی برائی پر نگاہ پڑ بھی جاتی ہے تو وہ اس کو اچھالتا نہیں اور اس کی عزت سے کھلواڑ نہیں کرتا، تو اس کے لیے بڑے اجر کی بات ہے، آج وہ اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کر رہا ہے، کل قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیں گے، حدیث میں آتا ہے:

"من ستر مسلماً ستره الله في الدنيا والآخرة"(۲)

(جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ ستاری فرمائیں گے)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

"من رأى عورة فسترها كان كمن أحيا موؤدة"(۳)

(۱) ابوداؤد، باب في الغيبة/٤٨٧٨، مسند احمد /١٦٧٣

(۲) ابن ماجه، كتاب الحدود، باب الستر على المومن../٢٦٤١

(۳) ابوداؤد، كتاب الادب، باب في الستر عن المسلم/٤٨٣٩

(اگر کسی کی نگاہ کسی کے پوشیدہ عیب پر پڑ گئی اور اس نے اس کو چھپالیا، اس نے (گویا) زندہ در گور لڑکی کو زندگی بخشی)

حدیث میں بڑی حکیمانہ تعبیر اختیار کی گئی ہے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر کسی کی برائی اچھال دی گئی تو اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ مرد یا عورت کسی قابل نہیں رہ جائے گی، گویا کہ اس کی جان ہی نکال لی گئی، دوسرا اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پھر ان کے اندر مزید برائیوں کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ سوچتے ہیں کہ جب ایک تہمت لگ ہی گئی تو اب کس کا ڈر، عرف اور معاشرہ کا دباؤ بھی بڑی چیز ہے، جب یہ بھی ختم ہو جاتا ہے تو کبھی کبھی آدمی برائیوں کا پیکر بن جاتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں ایک ناسور وجود میں آجاتا ہے، اب اگر کوئی ایسی برائی دیکھ کر اس پر پردہ ڈال رہا ہے تو گویا وہ اس برائی کرنے والے کو ایک نئی زندگی دے رہا ہے اور اس کو سنبھلنے کا دوبارہ موقع مل رہا ہے، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ گویا اس نے زندہ در گور کو زندگی دی۔

یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ برائیوں کو دیکھ کر ان کی پردہ پوشی کرنا اور لوگوں سے ان کو چھپانا الگ بات ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش بھی نہ کی جائے، اور جو ہو رہا ہے اس کو ہونے دیا جائے، حدیث میں صاف آتا ہے:

"من رأى منكم منكرا فلغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان"(۱)

(تم میں جو منکر دیکھے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر یہ بس میں نہ ہو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے، یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے، اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

"ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدرون على أن يغيروا عليه فلا يغيروا إلا أصابهم الله بعذاب من قبل أن يموتوا"(۲)

(ایک شخص بھی اگر کسی قوم میں رہ کر معصیتیں کرتا ہے اور لوگ اس کو روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہیں روکتے تو وہ سب مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا ہوں گے)

بخاری شریف کی ایک حدیث میں اس کی بہت واضح مثال پیش کی گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"حدود الٰہیہ میں داخل ہو جانے والے اس کو پامال کرنے والے اور اس میں مداہنت کرنے والے کی مثال ایسی ہے

(۱) مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهى عن.../۱۸۶

(۲) ابو داؤد، كتاب الملاحم، باب الامر والنهى/۴۳۴۱

کہ جیسے کچھ لوگوں نے کشتی پر سوار ہونے کے لیے قرعہ ڈالا، کچھ لوگوں کا نام بالائی منزل کے لیے نکلا اور کچھ لوگوں کا نیچے کے لیے، نیچے والے پانی لینے کے لیے اوپر جاتے تو اوپر والوں کو تکلیف ہوتی، نیچے والوں نے اس کو محسوس کیا تو کلہاڑی لی اور کشتی میں سوراخ کرنے لگے، اوپر والوں نے آکر پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ اوپر آنے جانے میں تم لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور پانی ہمارے لیے ضروری ہے، اب اگر اوپر والوں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور سوراخ کرنے سے روکا تب تو وہ اپنے لیے بھی نجات کا سامان کریں گے اور ان کو بھی بچالیں گے، ورنہ خود بھی ہلاک ہوں گے اور ان کو بھی ہلاک کریں گے''(۱)

برائیوں سے روکنا ایک مذہبی فریضہ ہے، یہ مسلمانوں کے فرض منصبی میں داخل ہے، لیکن کسی کی برائیوں کو اچھالنا اور اس کو بے عزت کرنا سخت گناہ کی بات ہے، یہ حکم شرعی ہے کہ برائیوں کو چھپایا جائے، ان کا چرچا نہ کیا جائے، اس کا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اچھے لوگوں میں اس کا تذکرہ ہونے لگتا ہے اور ان میں بھی یہ برائیاں گھسنے لگتی ہیں۔

(۱) البخاری، کتاب الشهادات، باب القرعة..../۲۸۸۶

خودغرضی

''خودغرضی'' بھی اندر کی وہ بیماری ہے جو آدمی کو دنیا و آخرت میں بے یار و مددگار بنا دیتی ہے، جب آدمی صرف اپنے فائدہ کے لیے سوچتا ہے، اور اس کی ساری محنتوں کا محور صرف اس کی ذات ہوتی ہے، نہ وہ کسی کے لیے بھلا سوچتا ہے اور نہ چاہتا ہے، اپنے فائدہ کے لیے وہ دوسروں کے ہر طرح کے نقصانات بآسانی گوارہ کر لیتا ہے اور اس کو ذرا بھی خیال نہیں ہوتا تو آہستہ آہستہ وہ دنیا میں بھی مبغوض بنتا چلا جاتا ہے، اور یقیناً یہ مرض ایسا ہے جو اس کو آخرت کی بھی بہت سی نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

اس دین کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک اجتماعی زندگی کا نظام بتایا گیا ہے، دوسروں کے حقوق کی تاکید کی گئی ہے، اور ایثار کی خاص اہمیت بتائی گئی ہے، خود قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر: ۹)

(اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ خود تنگدستی کا شکار ہوں اور جو بھی اپنے جی کی لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں)

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک دن آنحضور ﷺ کی خدمت میں چند لوگ آئے، آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی ہے جو ان کی میزبانی قبول کرے، ایک انصاری صحابی ان کو اپنے گھر لے آئے، معلوم ہوا کہ ان کے گھر میں بھی کچھ نہیں ہے، تھوڑا سا کھانا ہے جو بچوں کے لیے کافی ہوگا، انہوں نے اہلیہ سے کہا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دو اور کھانا لگا دو، کھانا شروع ہو تو بہانے سے چراغ گل کر دینا، ہم بھی ساتھ بیٹھیں گے، تاکہ محسوس ہو کہ ہم بھی کھانے میں شریک ہیں، مگر ہم نہیں کھائیں گے، اور مہمانوں کا پیٹ بھر جائے گا، صبح جب وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے ان کو یہ آیت سنائی جو ان کی تعریف میں اتری تھی: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(۱)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ

(۱) صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار: ۳۷۹۸

"لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه"(۱)

(تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے)

ایثار ایک انتہائی پسندیدہ وصف ہے، اور اس کے برمقابل خود غرضی انسان کو انسانیت سے گرادیتی ہے، اس کو صرف اپنی اور اپنی فکر ہوتی ہے، جیسا کہ ایک جانور کو دوسرے کے دکھ درد کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح ایک خودغرض انسان ہوتا ہے، اس کو صرف اپنا فائدہ نظر آتا ہے، دوسروں کا اس کو خیال نہیں رہتا۔

(۱) سنن ابن ماجة، باب فی الایمان: ٦٩

ریاکاری

"ریاکاری" بھی حقیقت میں اندر کا مرض ہے جو خودنمائی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، آدمی کے اندر یہ بات اس کے مزاج میں داخل ہے کہ وہ عزت پسند ہے، وہ اپنی بے عزتی گوارہ نہیں کرپاتا، وہ چاہتا ہے کہ ہر جگہ اس کے ساتھ عزت کا سلوک ہو، یہ بات اعتدال کے ساتھ بری نہیں، بلکہ خودداری پسندیدہ ہے، مگر یہی چیز آگے بڑھ کر خودنمائی میں داخل ہوجاتی ہے اور پھر آدمی دوسروں کو دکھانے کے لیے ایسے کام کرتا ہے جو اس کی عزت کا ذریعہ بنیں، اس کے نتیجہ میں خواہ وہ کچھ دیر کے لیے کسی کی نگاہ میں محترم ٹھہرے مگر اللہ کے یہاں بے عزت ہوجاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ سماج میں بھی اس کی قلعی کھل جاتی ہے۔

یہ بات اخلاص کے منافی ہے اور اخلاص ہر عمل کی قبولیت کی شرط ہے، حدیث میں آتا ہے:

"من عمل عملا أشرك فيه معي غيري تركته

وشرکه"(۱)

(جو ایسا کام کرے کہ دوسرے کو بھی میرے ساتھ نیت میں شریک کرے تو میں ایسے شخص کو اور اس کے شرک کو اس کے حال پہ چھوڑ دیتا ہوں)

یہ شرک خفی ہے جس کے نتیجہ میں کام برباد ہو جاتے ہیں، اور یہ ایسا خطرناک مرض ہے جو بڑے بڑے کاموں کو بے کار کر دیتا ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن فیصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا، ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا، اسے خدا کے سامنے لایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچان لے گا، تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تم نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا، وہ جواب دے گا کہ میں نے آپ کی راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا، تو نے تو اس لیے جہاد میں حصہ لیا تھا تا کہ

(۱) مسلم، کتاب الزهد والرقاق، باب من أشرك في عمله: ۷۶۶۶

تیری بہادری کے چرچے ہوں (سو تیرا مقصد حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہوئے، پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اسی کے ساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی عطا کی ہوئی نعمتیں بتائے گا، وہ سب اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا، بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقصد کے لیے استعمال کیا) وہ کہے گا، اے اللہ! میں نے آپ کا علم حاصل کیا، اور دوسروں کو سکھایا، اور آپ ہی کی رضا کے لیے آپ کی کتاب قرآن پاک میں مشغول رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی تو نے علم دین اس لیے حاصل کیا تھا اور قرآن تو اس لیے پڑھا تھا کہ عالم وقاری کہا جائے، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے عالم وعابد اور قاری ہونے کا چرچا خوب ہو چکا، وہ بھی اوندھے منہ جہنم میں

گھسیٹ کے ڈال دیا جائے گا، اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص بھی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی، اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا، (کہ میں نے تجھے یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لیے استعمال کیا) وہ عرض کرے گا اے خدا! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال ان سب ہی میں خرچ کیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا، درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لیے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو (اور تیری فیاضی وداد و دہش کے چرچے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا اور دنیا میں) تیری فیاضی وداد و دہش کے خوب چرچے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا"۔(۱)

(۱) مسلم، کتاب الامارة، باب من قاتل للرياء والسمعة: ۵۰۳۲

توحید کے بعد جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ اخلاص ہے، شرک کے نتیجہ میں سب کام سوخت ہوجاتے ہیں، اور ریاکاری کے نتیجہ میں ہر وہ عمل سوخت ہوجاتا ہے جس میں اخلاص نہ ہو اور وہ دکھاوے کے لیے کیا جائے، یہاں تک فرمادیا گیا:

"انما الأعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی، فمن کانت ھجرته الی دنیا یصیبھا أو الی امرأة ینکحھا فھجرته الی ما ھاجر الیه"(۱)

(اعمال کا دارومدار نیتوں پر موقوف ہے، اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی، تو جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لیے شمار ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی)

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"ثلاث لا یغل علیھن قلب مسلم؛ اخلاص العمل للّٰه ومناصحة أئمة المسلمین ولزوم جماعتھم"(۲)

(مسلمان کا دل تین چیزوں میں کھوٹا نہیں ہوتا، کام کو

(۱) صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی: ۱

(۲) سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی علی.....: ۲۸۷۰

خالص اللہ کے لیے کرنا، مسلمانوں کے ائمہ کی خیر خواہی کرنا، اوران کی جماعت کولازم پکڑنا)

ہر عمل شروع کرنے سے پہلے نیت کا استحضار کیا جائے، اپنے دل و دماغ کو اچھی طرح سے ٹٹول کر دیکھا جائے اور اس کے رخ کو خالص اللہ کی طرف کر کے صرف اسی کی خوشنودی کے لیے کام کیا جائے، پھر اس نیت کی نگہداشت رکھی جائے، درمیان میں کہیں نیت کے اندر فتور پیدا نہ ہو، حدیث میں رمضان کے روزوں اور رات کی شب بیداری کے بارے میں بھی فرمادیا گیا:

"من قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ومن صام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه"(۱)

(جو شب قدر میں کھڑا رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے، اس کے ثواب کی لالچ میں تو اللہ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے اور جو رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے، اس کے ثواب کی لالچ میں تو اللہ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے)

(۱) البخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان ایمانا.....: ۱۹۰۱

ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ بڑی خوش الحانی اور خاص کیفیت کے ساتھ تلاوت میں مشغول تھے، ایک شخص کا وہاں سے گذر ہوا، ان کے دل میں یہ بات آگئی کہ یہ اگر اس کیفیت وخشوع کو دیکھے گا تو اچھا اثر پڑے گا، اس کے گذرنے کے وقت انہوں نے مزید خوش الحانی اس کو سنانے کے لیے اختیار کرلی، رات کو خواب میں دیکھا کہ قیامت میں اعمال نامے پیش ہورہے ہیں، ان کو جو اعمال نامہ دیا گیا اس میں اس دن کی تلاوت بھی تھی مگر وہ آیتیں نہیں تھیں جو درمیان میں کسی کو دکھانے کے لیے پڑھی تھیں، انہوں نے جب پوچھا تو یہی جواب ملا کہ یہ تم نے اللہ کے لیے نہیں کیا اس لیے اس کے ثواب سے محروم کردیئے گئے۔

ایک بار صحابہ دجال کا ذکر کررہے تھے، آنحضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو دجال سے زیادہ خطرناک ہے، صحابہ نے عرض کیا: ضرور، آپ ﷺ نے فرمایا: شرک خفی، یہ کہ آدمی نماز میں کھڑا ہو اور اس کو بہت اچھے طریقہ پر ادا کرے، صرف اس لیے کہ لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں۔(۱)

ایک مرتبہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص بہادری دکھانے کے لیے لڑتا ہے، ایک قومی حمیت کے لیے اور ایک شخص دکھانے

(۱) سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب الرياء و السمعة: ٤٣٤٤

کے لیے تو کس کا جہاد خدا کے لیے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو خالص اللہ کے لیے لڑتا ہے اس کا جہاد اللہ کے لیے ہے۔(۱)

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ لا ینظر الی أجسادکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم وأعمالکم"(۲)

(بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو نہیں دیکھتا اور نہ ہی تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے، اور لیکن وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور کاموں کو دیکھتا ہے)

(۱) مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ: ۵۰۲۸

(۲) مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم: ۶۷۰۷

زبان کی بیماریاں

☆ زبان کی بے احتیاطیاں
☆ جھوٹ
☆ غیبت
☆ بہتان
☆ چغلی
☆ برے ناموں سے پکارنا
☆ فحش گوئی

زبان کی بے احتیاطیاں

زبان اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، لیکن سب سے زیادہ اسی نعمت کی ناقدری کی جاتی ہے، اور اس کا بے جا استعمال کیا جاتا ہے، اس وقت معاشرہ کے بگاڑ کا شاید سب سے بڑا سبب زبان کی بے احتیاطیاں ہیں، بہت کم لوگ ہوں گے جو الفاظ تول تول کر بولتے ہیں، اور جن کا عمل اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے کہ

"من صمت نجا" (۱) (جو خاموش رہا وہ بچ رہا)

آدمی جب بولنے پر آتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ وہ کیا کیا زبان سے نکال رہا ہے اور اس کے کیا نتائج سامنے آنے والے ہیں، ایک طویل حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں احکام اسلام کی وضاحت فرمائی، پھر فرمایا کہ

"الا أخبرك بملاك ذلك كله، قلت: بلى يا نبي الله!

(۱) لترمذی، کتاب صفة القيامة، باب اكرام الضيف.....: ٢٦٨٩

قال: فأخذ بلسانه قال؛ كف عليك هذا، فقلت؛ يا نبي الله! وانا لمؤاخذون بما نتكلم به، فقال: ثكلتك أمك يا معاذ وهل يكب الناس في النار على وجوههم أوقال على مناخرهم الا حصائد ألسنتهم"(۱)

(کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں کی اصل نہ بتاؤں، میں نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمایئے، آپ ﷺ نے زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! جو ہم گفتگو کرتے ہیں اس پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، آپ نے فرمایا: اے معاذ! اللہ تمہارا بھلا کرے، لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ان کی زبان کی بک بک ہی تو لے جائے گی)

یہ حضور ﷺ کا اعجاز بیانی ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث میں اس کی بہترین مثال پیش کی کہ جس طرح درانتی یا ہسیا سے کھیت کاٹے جاتے ہیں اور نہ جانے اس کے ساتھ کیا کیا گھاس پھوس بھی کٹتا جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "وهل يكب الناس على النار على وجوههم أو قال على مناخرهم الا حصائد ألسنتهم" کہ لوگ جہنم

(۱) لترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی حرمة الصلاة: ۲۸۲۵

میں اپنی زبان کے بے جا استعمال کے نتیجہ میں جائیں گے، حصیدہ کی جمع حصائد ہے، حصائد کہتے ہیں اس کھیتی کو جو درانتی سے کاٹی جائے، زبان کی حدیث میں یہی مثال پیش کی گئی ہے کہ اس کا استعمال آدمی جب بے دریغ بغیر کسی تحفظ کے کرتا ہے تو ایسی ایسی باتیں زبان سے کہتا ہے کہ جو اس کو جہنم کے راستہ پر ڈال دیتی ہیں اور بعض مرتبہ اس کو احساس بھی نہیں ہوتا، وہ اپنی زبان سے نہ جانے کتنے دلوں پر آرے چلاتا ہے، کتنے خاندانوں میں دراڑیں پیدا کرتا ہے، مرد و زن میں تفریق ڈالتا ہے، نفرتوں کے بیج بوتا ہے، بدگمانیاں پیدا کرتا ہے اور پورے معاشرہ کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے:

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

(نیزوں کے زخم بھرے جاسکتے ہیں، لیکن زبان جو زخم لگاتی ہے اس کا کوئی مداوا نہیں)

حالات کے بگاڑ کا بڑا سبب یہی زبان ہے، یہ اگر قابو میں آجائے تو حالات سنور جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ☆ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

ذُنُوبَكُم﴾ (الأحزاب: ۷۰-۷۱)

(اے ایمان والو! اللہ کا لحاظ رکھو اور سچی تلی بات کہو، وہ تمہارے لیے تمہارے کاموں کو بنادے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا)

ایک حدیث میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ تم دو چیزوں کی ضمانت لے لو، میں جنت کی ضمانت لیتا ہوں:

"الفم و الفرج"(۱) (منہ اور شرمگاہ)

ظاہر ہے منہ میں زبان ایسی چیز ہے جو آدمی کو ہلاکت کے غار میں گراتی ہے، ایک طرف تو زبان کا چٹخارہ اس کو حلال وحرام کے فرق سے روک دیتا ہے، اور ایک انسان تھوڑے سے مزہ کے لیے سب کچھ کر گذرتا ہے، اور اس سے بڑھ کر اس کا غلط استعمال ہے، اور زبان کی بے احتیاطیاں ہیں، بعض مرتبہ ایک چھوٹا سا جملہ آدمی کو تحت الثری میں پہنچا دیتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بعض مرتبہ آدمی ایک اچھی بات کہتا ہے جو آسمان کی بلندیوں تک لے جاتی ہے اور کبھی چھوٹی سی بات کہتا ہے جو اس کو تحت الثری میں گرا دیتی ہے۔(۲)

(۱) ترمذی، کتاب البر و الصلة، باب ما جاء فی حسن الخلق: ۲۱۳۵
(۲) بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان: ٦٤٧٨

ایک صحابی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ
"ما النجاة" (نجات کا راستہ کیا ہے)
آپ ﷺ نے فرمایا:
"أمسك عليك لسانك وليسعك بيتك وابك على خطيئتك"(١)
(زبان کو قابو میں رکھو، تمہارا گھر تمہارے لیے کافی ہو اور اپنی غلطیوں پر روؤ)
ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: خاموشی لازم پکڑو، اس سے شیطان بھاگتا ہے۔(٢)
واقعہ یہ ہے کہ سماج کا بگاڑ زبان کی بے احتیاطیوں کا نتیجہ ہے، اس کی شکلیں مختلف ہیں، جھوٹ، غیبت، بہتان، چغل خوری، فحش گوئی یہ سب زبان کے بڑے بڑے گناہ ہیں جو ایک گناہ کرنے والے کے لیے وبال ہیں، دوسری طرف سماج کے لیے کسی ناسور سے کم نہیں ہیں۔

(١) سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی حفظ اللسان: ٢٥٨٦
(٢) الترغیب والترهیب: ٣/٥٣١

جھوٹ

جھوٹ ایسی بدترین خصلت ہے جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامت قرار دیا ہے، ارشاد ہوا:

"آیة المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد أخلف واذا اؤتمن خان"(١)

(منافق کی تین نشانیاں ہیں؛ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے)

ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے ساتھ جھوٹ جمع نہیں ہوسکتا۔(٢)

جھوٹ زبان کا بھی ہوتا ہے اور جھوٹ عمل کا بھی ہوتا ہے، عمل کا ایک جھوٹ یہ ہے کہ اندر کفر ہو اور اوپر سے ایمان ہو، یہ حقیقی نفاق ہے،

(١)صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب علامة المنافق: ٣٣

(٢)المؤطا کتاب الکلام، باب ماجاء فی الصدق والکذب: ١٨٣٢

جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾

(النساء: ۱٤٥)

(یقیناً منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے)

عمل کا دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی جو بھلائی نہ رکھتا ہو، اس کو اپنی چال ڈھال سے ظاہر کرے، اس کو "لابس ثوبی زور" (۱) کہا گیا ہے، ایسا شخص جھوٹا لباس پہننے والا ہے۔

سچائی انسان کو کامیابی کی منزلیں طے کراتی ہے، اور جھوٹ ہلاکت کے دروازے پر پہنچاتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: سچائی کو لازم پکڑو، اس لیے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت میں پہنچاتی ہے، انسان برابر سچ بولتا ہے اور سچائی ہی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے بچو اس لیے کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم میں پہنچا دیتا ہے، اور بندہ برابر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ ہی اختیار کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ (۲)

(۱) البخاری، کتاب النکاح، باب المتشبع بما لم ینل.....: ۵۲۱۹

(۲) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب قوله "یا أیها الذین..: ٦۰۹٤

آدمی ظاہری طور پر کتنا ہی عبادت گذار اور با اخلاق نظر آئے، لیکن اگر وہ جھوٹ کا سہارا لیتا ہے تو وہ خود بھی ہلاک ہونے والوں میں ہے، اور دوسروں کو بھی ہلاک کرنے والا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا:

﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبة: ۱۱۹)

(اور سچوں کے ساتھ رہو)

صدق ہی بزرگی کی نشانی ہے جو قول وعمل میں یکساں ہو، زبان کی حفاظت کرنے والا ہو، وہ اللہ کا ولی ہے، اور جو اپنی بزرگی جتائے اور اپنے قول وعمل سے اس کا مظاہرہ کرے اور اس کے لیے جھوٹ کا سہارا لے وہ خواہ ظاہری طور پر کتنا ہی متاثر کر دیتا ہو لیکن وہ بے اعتبار ہے، ایسے لوگوں سے دور رہنا ہی بہتر ہے، اللہ نے سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا ہے۔

امام مالک نے مؤطا میں میں روایت نقل فرمائی کہ آدمی برابر جھوٹ بولتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اللہ کے یہاں اس کو جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔(۱)

معراج کے موقع پر آپ ﷺ کو جنت وجہنم کی سیر کرائی گئی، جہنم میں آپ ﷺ نے دیکھا تھا کہ ایک شخص کے جبڑے چیرے جا رہے ہیں،

(۱) المؤطا، كتاب الكلام، باب ما جاء في الصدق و الكذب: ۱۸۳۱

آپ ﷺ کو بعد میں بتایا گیا کہ یہ جھوٹی باتیں کہتا تھا اور وہ دنیا میں پھیلا دی جاتی تھیں، اس کے ساتھ یہ ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔(۱)

آدمی عام طور پر مذاق میں جھوٹ بول دیتا ہے، حدیث میں فرمایا گیا کہ بندہ حقیقت ایمان تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ چھوڑ دے۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عامر فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری ماں نے مجھے کہا کہ آؤ میں تمہیں کھجور دوں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کیا دینا چاہتی ہو، انہوں نے کہا کہ میں کھجور دینا چاہتی ہوں، آپ نے فرمایا: اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارا جھوٹ لکھا جاتا۔(۳)

امام مالک نقل فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے؟ فرمایا: ہوسکتا ہے، سوال ہوا کہ کیا وہ بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا: ممکن ہے، پوچھا گیا کہ کیا وہ جھوٹا ہوسکتا ہے؟ فرمایا: نہیں۔(۴)

ایک حدیث میں فرمایا کہ جھوٹ آدمی کے چہرہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔(۵)

---

(۱) البخاری، کتاب الادب، باب قوله: یا أیها الذین آمنوا.....: ٦٠٩٦
(۲) الترغیب والترہیب: ۳/۵۹۴ (۳) أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی التشدید فی الکذب: ٤٩٩٣ (٤) موطا مالك، کتاب الکلام، باب ماجاء فی الصدق والکذب: ١٨٣٢ (۵) الترغیب والترہیب: ۳/۵۹۶

یعنی اس کی رسوائی کا ذریعہ بنتا ہے۔

ترمذی میں آتا ہے کہ آدمی جب جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس کی بدبو کی وجہ سے اس سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں،(۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو کوئی برائی اتنی ناپسندیدہ نہیں تھی جتنی جھوٹ۔(۲)

جھوٹ کے نتیجہ میں آدمی بیسیوں دوسری چھوٹی بڑی برائیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، بعض مرتبہ بات معمولی ہوتی ہے، مگر جھوٹ جھوٹ ہے، جیسا کہ گزر چکا کہ مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے نقصان ہوتا ہے، ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اس پر افسوس، اس پر افسوس،(۳) ایسا شخص بے وزن ہوجاتا ہے اور اس کی بات بے اعتبار ہوجاتی ہے۔

جھوٹ کی جتنی شکلیں ہیں، اسلام نے ان کے درجے طے کردیئے ہیں، سب سے ہلکی صورت جس پر شاید مؤاخذہ بھی نہیں ہے، بلکہ اس کو روا رکھا گیا ہے یہ ہے کہ دو آدمیوں میں صلح صفائی کے لیے آدمی بات ذرا موڑ دے، اسی طرح شوہر اور بیوی کے درمیان کی باتوں میں بھی

(۱) لترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی الصدق.....: ۲۱۰۰
(۲) الترغیب: ۳/ ۵۹۷
(۳) لترمذی، کتاب الزهد، باب فیمن تکلم بکلمة یضحك: ۲۴۸۵

اجازت ہے کہ اظہار محبت میں وہ کہہ دیا جائے جو ذرا آگے کی بات ہو،(۱) اس کے بعد مذاق میں جھوٹ ہے، مگر یہاں مؤاخذہ ہے اور اس کا نقصان ہوتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ''سیرۃ النبی ﷺ'' میں اس کے مختلف درجوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک شخص کو سچا اور قابل اعتبار سمجھتا ہے، اس لیے اس کی ہر بات کا یقین کر لیتا ہے، لیکن وہ شخص اس کے علم و یقین سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور جھوٹ بول کر اس کو سخت فریب و نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے، اسلام نے اس کو سخت خیانت قرار دیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''یہ ایک بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایک جھوٹی بات کہو، درآں حالیکہ وہ تم کو سچا سمجھتا ہو''۔(۲)

اس سے بھی زیادہ خطرناک جھوٹ وہ ہے جس سے لوگوں کے حقوق اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچے، اور اس سے معاشرتی نظام میں خلل واقع ہو، یہ جھوٹ عام جھوٹ سے

(۱) ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی اصلاح ذات..: ۲۰٦٤

(۲) الأدب المفرد، باب اذا كذبت لرجل هو لك مصدق: ۷۸

اس قدر مختلف ہے کہ اسلام نے اس کا نام تک بدل دیا ہے اور اس کو "زور" اور "افک" وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، جس کے معنی منحرف ہونے اور الٹ پلٹ دینے کے ہیں۔

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ (الحج: ۳۰)

(بتوں کی گندگی اور جھوٹی بات کے کہنے سے بچتے رہو)

زور اگرچہ ایک عام لفظ ہے، جس میں کذب و بہتان وغیرہ سب شامل ہیں، لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے خاص طور پر جھوٹی شہادت مراد ہے، جامع ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑا گناہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ ﷺ، فرمایا کہ شرک اور باپ ماں کی نافرمانی، راوی کا بیان ہے کہ آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے کہ دفعتاً اٹھ بیٹھے اور کہا کہ جھوٹی شہادت یا جھوٹی بات اور برابر یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے۔(۱)

(۱) أبواب البر والصلة، باب ما جاء في عقوق الوالدين: ۱۲/۲

اس آیت پاک اور اس کی اس تشریحی حدیث میں غور کرنے سے یہ نکتہ ملتا ہے کہ شرک کے بعد ہی جو برائی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذکر کے قابل تھی وہ یہی جھوٹ ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ اس کی گندگی کا کیا عالم ہوگا۔

افک اس سے بھی زیادہ سخت لفظ ہے، اس کے معنی ہیں کسی پر جھوٹ باندھنا، مشرک خدا پر جھوٹ باندھا کرتے تھے، ان کو قرآن نے ''افک'' کہا ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ اس کی سرحد کبھی کبھی شرک سے مل جاتی ہے، منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو اتہام لگایا تھا اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ ''افک'' سے تعبیر کیا ہے۔(۱) اور قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افک بڑے خبیث طینت کا کام ہے، فرمایا: ﴿تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ﴾ (الشعراء: ۲۲۲) (اور شیطان تو اترا کرتے ہیں ہر جھوٹ باندھنے والے پر بدکردار پر)''(۲)

عام طور پر یہ غلطیاں زبان کی بے احتیاطیوں سے وجود میں آتی ہیں، ہر سنی سنائی بات نقل کر دینا، تحقیق نہ کرنا یہ سب چیزیں آدمی کو جھوٹ

(۱) نور: ۲۴-۱۲ (۲) سیرۃ النبی: ۶/۳۸۵-۳۸۷

تک پہنچادیتی ہیں، اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع"(۱)

(آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات نقل کردے)

(۱) صحيح مسلم، المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع: ۷

غیبت

غیبت کہتے ہیں پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنا، حدیث میں اس کی وضاحت وتفسیر موجود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"أتدرون ما الغيبة؟ قالوا: الله ورسوله أعلم. قال: ذكرك أخاك بما يكره. قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته وإن لم يكن فيه فقد بهته"(۱)

(تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کا ایسا تذکرہ جو اس کو ناپسند ہو۔ دریافت کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ (ناپسندیدہ) چیز

(۱) مسلم، كتاب البر والصلة والادب، باب تحريم الغيبة/٦٧٥٨

موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے اندر وہ چیز موجود ہے تب ہی تو تم نے غیبت کی اور اگر وہ چیز موجود ہی نہیں ہے تو تم نے اس پر تہمت لگائی (جو غیبت سے بڑا گناہ ہے)

عام طور پر لوگ اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ اگر کسی ایسی برائی کو بیان کیا جائے جو موجود ہے تو یہ غیبت نہیں ہے، اس حدیث میں بات صاف کر دی گئی کہ غیبت تو جب ہی ہے کہ برائی موجود ہو، اور اگر برائی موجود نہیں ہے تب تو یہ بہتان طرازی اور الزام تراشی ہے جو بدترین گناہوں میں سے ہے۔

عام طور پر سوءِ مزاج کے نتیجہ میں آدمی غیبت میں مبتلا ہوتا ہے، بعض لوگ تو صرف ناعاقبت اندیشی کی بنا پر یہ کام کرتے ہیں، ان کو یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ دنیا و آخرت میں اس کے نقصانات کیا ہیں، ایک بڑی تعداد انانیت پسند لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو کسی کو اٹھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، ان کے سامنے اگر کسی کی تعریف کی جانے لگے تو فوراً وہ برائیاں تلاش کر کے بیان کرنے لگتے ہیں، جب کہ اسلامی مزاج کا تقاضا یہ تھا کہ دس برائیوں میں اگر ایک نیکی بھی ہے تو نیکی کا چرچا کیا جائے اور برائیوں کا تذکرہ نہ ہو، تاہم یہ بھی خیال رہے کہ اگر کہیں گواہی دینے کا

مسئلہ ہے یا کوئی کسی کے بارے میں مشورہ کر رہا ہے تو اپنے علم کے مطابق صحیح رائے کا اظہار کر دیا جائے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے لیے دو لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت فرمادی اور جو نقص تھا وہ بھی بیان کر دیا تاکہ آدمی دھوکہ میں نہ پڑے اور بعد میں اس کو پچھتاوا نہ اٹھانا پڑے، محدثین کے یہاں جرح وتعدیل کا مستقل فن اسی لیے وجود میں آیا کہ غلط لوگوں سے روایات نقل کرنے میں احتیاط برتی جائے اور بے اصل روایات معاشرہ میں پھیل نہ جائیں، یہ ایک دینی شرعی مصلحت وضرورت تھی اور اب بھی اگر ضرورت پڑے تو بالکل دوٹوک انداز میں بات صاف کر دی جائے تاکہ نہ افراد دھوکے میں پڑیں اور نہ ہی امت کسی دھوکہ کا شکار ہو، لیکن یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اس میں حدود قائم رکھے جائیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس میں انانیت شامل ہو جاتی ہے اور اس پر ضرورت کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں یہ بیماری اچھے اچھے دیندار حلقوں میں پیدا ہو گئی ہے، جب کہ حدیث میں اس کو بدترین گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، بیہقی کی ایک روایت میں آتا ہے:

"الغيبة أشد من الزنا. قالوا يا رسول الله! وكيف

الغيبة أشد من الزنا؟ قال إن الرجل ليزنى فيتوب فيتوب الله عليه، وإن صاحب الغيبة لا يغفر له حتىٰ يغفرها له صاحبه"(۱)

(غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی زنا کرتا ہے پھر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں اور غیبت کرنے والے کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک وہ شخص معاف نہ کردے جس کی اس نے غیبت کی ہے)

ظاہر ہے جس کی غیبت کی گئی ہے معاشرہ میں اس کو گرانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ اس کا ایک بہت بڑا نقصان ہے، اسی لیے غیبت کو بھائی کے مردار گوشت کھانے کے مرادف قرار دیا گیا ہے، جب تک اس سے معافی نہ مانگ لی جائے، اس وقت تک اس گناہ سے معافی مشکل ہے اس لیے کہ یہ بندوں کے حقوق میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف فرمادیں گے لیکن بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک وہ ادا نہ کردیئے جائیں یا معاف نہ کرالیے جائیں۔

(۱) البيهقي في شعب الايمان، فصل فيما ورد من الاخبار../٦٤٦٥

کبھی ایسی صورت حال بھی پیش آتی ہے کہ جس کی غیبت کی گئی اس کا انتقال ہوگیا یا اس کا خطرہ ہے کہ اگر معافی مانگنے کے لیے غیبت کا تذکرہ بھی ہوا تو فریق ثانی کی طرف سے سخت ردعمل ہوگا اور اس کے نتیجہ میں حالات مزید بگڑ جائیں گے اور فتنہ پیدا ہوگا ایک حدیث میں ایسی صورت حال کا علاج بتایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

"إن من كفارة الغيبة أن تستغفر لمن اغتبته تقول اللّٰهم اغفر لنا وله"(۱)

(غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی تم نے غیبت کی ہو اس کے لیے استغفار کرو اور کہو کہ اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرمادے)

بظاہر یہ حدیث ان ہی حالات کے لیے مخصوص ہے کہ جب معافی نہ مانگی جاسکتی ہو یا اس سے فتنہ کا خدشہ ہو، اس لیے کہ بیہقی کی اس سے پہلی والی روایت میں یہ صراحت ہے کہ جب تک معافی نہ مانگ لی جائے اس وقت تک اس گناہ کا معاف ہونا مشکل ہے، اس لیے اس دوسری حدیث کو مخصوص حالات پر محمول کرنا ہی مناسب ہے۔

جس طرح غیبت کرنا سخت گناہ ہے، غیبت کا سننا اور ایسی مجالس

(۱) البيهقي في شعب الايمان، فصل فيما ورد من الاخبار/٦٥١٩

میں شریک ہونا بھی گناہ ہے، حدیث میں آتا ہے:

"من اغتیب عنده أخوه المسلم فنصره نصره الله فی الدنیا والآخرة، وإن لم ینصره أدرکه الله فی الدنیا والآخرة"(۱)

(جس کسی کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی گئی اور اس نے اپنے بھائی کی مدد کی، اس نے اپنے بھائی کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی مدد فرمائیں گے اور اگر اس نے مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پکڑ کریں گے)

حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کبھی ایسی مجلسوں میں شرکت ہو بھی جائے اور کسی کی غیبت کی جائے تو شریک ہونے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس کی غیبت کی جارہی ہے اس کا دفاع کرے، یہ اس کے لیے بڑے اجر کی بات ہے کہ وہ اس کی عزت رکھ رہا ہے اور اس مجلس میں اس کو ذلیل ہونے سے بچا رہا ہے، اللہ تعالیٰ بھی دنیا وآخرت میں اس کی مدد فرمائیں گے، اس کو عزت بخشیں گے اور وہ ذلت سے محفوظ رہے گا، اس کے برخلاف اگر وہ مجلس میں پوری طرح شریک رہا، غیبت سنتا رہا اور اس

(۱) مصنف ابن عبدالرزاق، باب الاغتیاب والشتم/۲۰۲۵۸

پر ذرا بھی ناپسندیدگی ظاہر نہ کی تو اس کے لیے وبال ہے، اس کا خطرہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی ذلت اٹھائے۔

سورۂ حجرات میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً﴾ (الحجرات: ۱۲)

(اور نہ ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی کرو)

اسی آیت میں غیبت کی برائی مزید وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے، اور اس میں نفسیات کو اپیل کی جارہی ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ (الحجرات: ۱۲)

(کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم گھن کرو گے ہی)

عجیب بات یہ ہے کہ عام طور پر مجلسوں میں غیبت کا سلسلہ جب چلتا ہے تو کسی کو خیال بھی نہیں رہتا اور اس میں مزہ آنے لگتا ہے، آیت شریفہ میں اس کا ایک نفسیاتی علاج بھی کیا گیا ہے، غیبت کے موقع پر اگر یہ تصور کرلیا جائے کہ جس کی غیبت کی جارہی ہے درحقیقت اس کا سڑا ہوا گوشت کھایا جارہا ہے تو اس تصور سے ہی طبیعت اِبا کرنے لگے گی اور غیبت سے کراہت سی پیدا ہوجائے گی، ظاہری طور پر آدمی خواہ اس کو

محسوس نہ کر سکے لیکن یہ ایک حقیقت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ اللہ کے حکم سے ایسی چیزیں محسوس بھی کرادیں، حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتوں نے روزہ رکھا، روزہ ان دونوں کو اتنا لگا کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا، دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا، لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔(۱)

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ غیبت کرنے والے کے لیے نیکیاں مشکل ہوجاتی ہیں، اور اس کا ذہن غلط کاموں اور غلط باتوں کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔

جس طرح حدیث میں غیبت کرنے والے کو مردار بھائی کا گوشت کھانے والا کہا گیا ہے، اسی طرح اگر کوئی غیبت کرنے والے کو اس کے اس برے عمل سے باز رکھتا ہے تو وہ اپنے بھائی کی حفاظت کرنے والا شمار

(۱) البیهقی، دلائل النبوة/۲۴۳۷

ہوگا، حدیث میں آتا ہے:

"من ذب عن لحم أخيه بالغيبة كان حقاً على الله أن يعتقه من النار"(۱)

(غیبت کی وجہ سے اگر کسی کا گوشت محفوظ نہیں رہا اور کوئی اس کی حفاظت (غیبت کرنے والے کو غیبت سے روک کر) کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو جہنم سے خلاصی عطا فرمائیں گے)

اللہ کی طرف سے یہ بدلہ اس کو اس کے عمل کے مطابق مل رہا ہے، وہ دوسرے کے گوشت پوست اور اس کے جسم کی حفاظت کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے جسم کی جہنم سے حفاظت فرمائیں گے۔

(۱) البيهقي، شعب الايمان، فصل ۲۹/ ۷٦٤۳

بہتان

بہتان بھی زبان کا ایک بڑا گناہ ہے، تہمت کسی پر لگائی جائے، جس چیز کی تہمت لگائے جائے گی، اس کی شدت بڑھتی جائے گی، زنا کی تہمت لگائی جائے، چوری کی تہمت لگائی جائے یا کسی معمولی غلطی کی نسبت غلط کسی طرف کی جائے، یہ سب بہتان ہی کی قسمیں ہیں، اور بڑے گناہوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْماً ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئاً فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيناً﴾ (النساء: ۱۱۲)

(اور جس نے خود غلطی یا گناہ کا ارتکاب کیا پھر اس کو کسی بے گناہ کے سر تھوپ دیا تو اس نے بہتان اور بڑا گناہ اپنے اوپر لاد لیا)

غیبت کے سلسلہ میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی کی وہ برائی بیان کی جائے جو اس میں موجود ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہی

تو غیبت ہے ورنہ تو بہتان ہے۔(۱)

آدمی کسی کو رسوا کرنے کے لیے اس پر تہمتیں لگاتا ہے، مگر بھول جاتا ہے کہ حدیث میں یہاں تک ارشاد فرمادیا گیا ہے کہ اگر کوئی کسی پر الزام لگاتا ہے تو وہ اس وقت تک نہ مرے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کو اس کی برائی میں مبتلا نہ کردے۔(۲)

کبھی کوئی کسی سے بغض رکھتا ہے تو تحقیق نہیں کرتا، کوئی بھی اس کے بارے میں غلط بات منسوب کردے تو اس کو سچ مان کر اس کی اشاعت شروع کردیتا ہے، اس طرح وہ بھی بہتان طرازی میں شریک ہوجاتا ہے۔

بہتان کسی برائی کا بھی لگایا جائے بڑا گناہ ہے، لیکن اگر کوئی کسی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے تو انتہائی درجہ کا گناہ ہے، اور شریعت نے اس کی حد متعین فرمائی ہے، جس کو "حدقذف" کہتے ہیں، اس میں سو کوڑے اس شخص پر لگائے جائیں گے جو زنا کی تہمت لگائے گا اور اس کا ثبوت پیش نہ کرسکے گا، یہ اس لیے ہے تاکہ برائیاں نہ پھیلیں، یہ سماج کو کرپٹ کردینے والی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے حدقذف کے ذریعہ سے اس کا راستہ ہی بند کردیا۔

(۱)صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الغیبة: ٦٧٥٨

(۲)مسند أحمد بن حنبل: ٥٥١٢

پھر برائیاں پھیلانے والوں، ان کا چرچا کرنے والوں کے بارے میں سخت الفاظ فرمائے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (النور: ۱۹)

(یقیناً جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے)

حاصل یہ ہے کہ جیسے گناہ کی تہمت لگائی جائے گی، گناہ کی شدت بڑھتی جائے گی، اور اسی طرح جس پر تہمت لگائی جارہی ہے، اس سے بھی شدت گناہ میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ کے ولیوں پر اور ان سے بڑھ کر صحابہ پر تہمت لگانا انتہائی فسق و فجور کی بات ہے، پھر ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے، جن منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ان کے بارے میں قرآن مجید "عَذَابٌ أَلِيمٌ" کا ذکر فرماتا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (النور: ۱۱)

(اور ان میں جس نے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے)

چغل خوری

چغل خوری ایک خطرناک مرض ہے جو سماج کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے، دلوں میں دراڑیں پیدا کر دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کبھی کبھی قتل وخونریزی کی نوبت آجاتی ہے، چغل خور کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک آدمی کی صحیح یا غلط باتیں دوسرے آدمی تک پہنچاتا ہے، اسی لیے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو "مشاء بنمیم" کہا گیا ہے، یعنی جو چغلی کھاتا پھرتا ہے، اور حدیث میں ارشاد ہے:

"المشاء ون بالنميم المفسدون بين الأحبة"(۱)

(جو لوگ چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں وہ دوستوں کے تعلقات خراب کرتے ہیں)

چغل خور نہ خود چین سے رہتا ہے، نہ دوسروں کو سکون سے رہنے دیتا ہے، اور بعض لوگ اس برائی میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ

(۱) مسند أحمد: ۶/۴۵۹

تاک میں رہتے ہیں اور چپکے چپکے بات سننا چاہتے ہیں، تاکہ وہ بات دوسروں سے لگادیں، اور جھگڑا پیدا کریں، ایسے لوگوں کو حدیث میں ''قتات'' کہا گیا ہے، ارشاد ہے:

"لا یدخل الجنة قتات"(۱)

(جنت میں چغلی کرنے والا داخل نہ ہوگا)

ایسے لوگ بات کا بتنگڑ بناتے ہیں اور خوب نمک مرچ لگا کر اس طرح بات کو پیش کرتے ہیں کہ سننے والا دھوکہ کھا جائے اور اس کا دل برا ہو جائے۔

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ کا گذر ایک قبرستان پر سے ہوا، فرمایا کہ ایک پر عذاب اس لیے ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کھاتا پھرتا تھا۔(۲)

یہ ایسا گناہ ہے جو متعدد گناہوں کا مجموعہ ہے، غیبت، بہتان، تجسس، کذب اور نہ جانے کتنے گناہ ہیں جن میں چغلی کھانے والا مبتلا ہو جاتا ہے، اور اپنی آخرت برباد کرتا ہے، عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں، اور اس کو گناہ کبیرہ نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ ایک بڑی فتنہ پردازی ہے، اور فتنہ کو قتل سے زیادہ سخت کہا گیا ہے:

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما یکره من النمیمة: ٦٠٥٦
(۲) البخاری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر أن لا یستر...: ٢١٦، و صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الدلیل علی نجاسة البول: ٧٠٣

﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾
(اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہے)

سماج کو اس فتنہ سے بچانے کا نسخہ بھی قرآن مجید نے بیان کیا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (الحجرات: ٦)

(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح جانچ لو کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتاوا ہو)

دوسری جگہ صاف کہہ دیا گیا:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ☆ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ﴾ (القلم: ١٠-١١)

(اور کسی بھی بہت قسم کھانے والے کی باتوں میں نہ آجایئے گا جو بے حیثیت ہے، طعنے دینا اس کا کام ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے)

ایک طرف اس گناہ سے ہر ایک کو دور رہنے اور اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اور دوسری طرف سماج کو اس کے شر سے بچانے کے لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے، ہر سنی سنائی بات پر یقین نہ کرلیا جائے، بلکہ اس کی تحقیق کی جائے اور ایسے لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کی جائے جن کا کام ہی لوگوں کو لڑانا اور دلوں میں دراڑیں پیدا کرنا ہے۔

برے ناموں سے پکارنا

قرآن مجید میں کسی کی مذمت کرنے پر سختی سے ممانعت کی گئی ہے، سورۂ حجرات میں اس کے لیے "لَمْز" کا لفظ استعمال ہوا ہے، "لَمْز" ہر اس کلام یا اشارہ کو کہتے ہیں جس میں مخاطب کی مذمت کی جارہی ہو، چڑھایا جارہا ہو، اور ڈرایا دھمکایا جارہا ہو، کہنے والا جس چیز کو خود معیوب سمجھتا ہو، وہ اس چیز کو مخاطب کی طرف منسوب کرے، وہ عیب مخاطب کے اندر موجود ہو تو بھی اس کا تذکرہ درست نہیں ہے اور وہ عیب مخاطب کے اندر موجود نہ ہو تب تو اس گناہ کی شدت بہت بڑھ جاتی ہے، بعض روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی کسی عیب کو کسی کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس وقت تک اس کو موت نہیں آئے گی جب تک وہ بھی اس عیب میں مبتلا نہ کر دیا جائے (۱) قرآن مجید میں لمز کی ممانعت کے لیے جو تعبیر استعمال

(۱) سنن الترمذی، ابواب صفة القيامة، باب من عيّر أخاه بذنب: ۲۶۲۹

ہوئی ہے وہ بھی نہایت بلیغ ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۱)

(اور ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ)

اَنفس، نفس کی جمع ہے، لغوی معنی یہ ہیں کہ اپنی جانوں کو برا مت کہو، اس کے نتیجہ میں تم کو بھی برا کہا جائے گا دوسرا اشارہ اس میں یہ ہے کہ تم جن ایمان والے بھائیوں کو برا بھلا کہہ رہے ہو، وہ تمہارے بھائی ہیں اور تمہارا ہی حصہ ہیں، ان کو الگ مت سمجھو، ان کو برا بھلا کہنا خود اپنی ذات کو برا کہنا ہے۔

اس کے علاوہ برے القاب سے پکارنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ (الحجرات: ۱۱)

(اور نہ برے ناموں سے پکارو)

جن القاب کو معیوب سمجھا جاتا ہو، ان سے احتیاط کرنی چاہیے، القاب کبھی خلقی نقص کی بناء پر پڑ جاتے ہیں، جیسے اندھا، کانا، بہرا، لنگڑا وغیرہ، ظاہر ہے جس کو ان ناموں سے پکارا جائے گا اس کو کس قدر تکلیف ہوگی، کبھی بری عادتوں کی وجہ سے نام پڑ جاتے ہیں، کسی نے چوری کی،

اس کو چور کہا جانے لگا، وہ تائب ہوگیا، پرہیزگار بن گیا، تب بھی اس کو چور کہا جارہا ہے، کوئی بھی ایسا لقب یا نام جس سے مخاطب تکلیف محسوس کرے، اس سے بچنا چاہیے، حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔(۱) کسی بھی قول سے، فعل سے، طرز گفتگو سے تکلیف پہنچ سکتی ہو، اس سے بچنا ضروری ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حقوق دو طرح کے ہیں؛ ایک حق اللہ کا ہے اور دوسرا حق بندوں کا ہے، اللہ تعالیٰ توبہ پسند فرماتے ہیں، اپنے حق کو وہ معاف فرمادیں گے، لیکن بندوں کا حق اس وقت تک معاف ہونا مشکل ہے جب تک معاف نہ کرالیا جائے، اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس گناہ کی توبہ قبول ہی اس وقت ہوگی جب حق ادا ہوجائے یا اس کی معافی کرائی جائے، یہ توبہ کے شرائط میں سے ہے۔

ہمارے معاشرہ کا یہ سب سے بڑا مرض ہے جو ہم مسلمانوں کو گھن کی طرح لگ گیا ہے، بالائے ستم یہ کہ اس کو مرض نہیں سمجھا جاتا، اچھے اچھے دیندار لوگ اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اس سے مسلمانوں کی بہت غلط تصویر انسانی سماج میں جارہی ہے، اخلاقیات اور معاملات میں کھوکھلا پن بڑھتا چلا جارہا ہے، مسلمانوں کے لیے یہ بڑا لمحۂ فکریہ ہے، اس کی اصلاح

(۱) بیہقی، شعب الایمان ۶۳۹۳/۳۹

کی شدید ضرورت ہے، تاکہ اسلامی معاشرہ مکمل اسلام کی تصویر بن سکے۔

جب آیت شریفہ میں استہزاء کرنے، برا بھلا کہنے اور برے ناموں سے پکارنے کی ممانعت ہے تو حق مارنا کس درجہ گناہ کی بات ہوگی، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ انھوں نے کہا: جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مفلس وہ نہیں ہے (جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو) مفلس تو وہ ہے جو قیامت کے دن نیکیاں لے کر آئے گا، لیکن کسی کو ستایا ہوگا، کسی کا حق مارا ہوگا، کسی کو گالی دی ہوگی، ان تمام لوگوں کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کی برائیاں اس کے سر ڈالی جائیں گی، اور پھر (ہزاروں نیکیوں کے باوجود) اس کو منھ کے بل کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(۱)

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ٦٧٤٤

فحش گوئی

فحش گوئی بھی اس وقت سماج کے ان امراض میں سے ہے جو پھیلتے جارہے ہیں اور اس میں بڑا حصہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ کا ہے، اس کی خاص طور پر وہ قسم جس کا تعلق قوت شہوانیہ سے ہے، اس کو آج سماج میں برائی نہیں سمجھا جاتا، یورپ نے دنیائے انسانیت کو جن برائیوں میں کھلے عام مبتلا کیا ہے، ان میں یہ فحاشی بھی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زبانیں محفوظ نہیں۔

زمانہ جاہلیت میں یہ مرض تھا کہ لوگ اپنے دوستوں میں لطف صحبت کے طور پر بے باکانہ عورتوں کے حسن و جمال کا ذکر کرتے تھے، اور جو کام چھپ کر ہوتا تھا اس کا برسر عام ذکر کیا جاتا تھا، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

"کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتا

ہے تو دروازہ بند کر لیتا ہے، اور اس پر پردہ ڈال دیتا ہے، اور اس طرح خدا کے پردے میں چھپ جاتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ''ہاں'' پھر فرمایا کہ ''اس کے بعد لوگوں کی صحبتوں میں بیٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا، میں نے یہ کیا'' اس پر سب لوگ خاموش رہے، پھر عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''کیا تم سب اس قسم کے واقعات بیان کرتی ہو؟'' اس پر ایک عورت نے دوزانو بیٹھ کر کہا کہ ''ہاں مرد اور عورت دونوں اس قسم کے واقعات بیان کرتے ہیں'' فرمایا: ''تم لوگ جانتے ہو کہ اس کی کیا مثال ہے؟ اس کی مثال اس چڑیل کی ہے جو گلی میں ایک شیطان سے ملی اور اس نے اس سے مباشرت کی، حالانکہ لوگ اس کو دیکھ رہے تھے''۔(۱)

دور حاضر کی جاہلیت نے سارے پردے چاک کر دیئے، نیٹ کی سہولتوں اور موبائل نے گھر گھر اس لعنت کو داخل کر دیا، پہلے بے باک نوجوان فلمیں دیکھتے تھے، پھر مجلسوں میں اس کی اسٹوری ایک دوسرے کو

(۱) أبو داؤد، کتاب النکاح، باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابة أهله: ۲۹۶- ماخوذ: سیرۃ النبی: ۶/۴۹۴-۴۹۵

سناتے تھے، آج موبائل میں وہ ساری خرافات دیکھی اور دکھائی جارہی ہیں، سنی اور سنائی جارہی ہیں جس کے نتیجہ میں فحاشی کا ایک سیلاب بلاخیز امنڈا امنڈ کر آرہا ہے، قرآن مجید نے صاف اعلان کیا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النور: ۱۹)

(یقیناً جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

دین کا مزاج یہ ہے کہ وہ مرد و زن کے روابط کے لیے بھی کنائی الفاظ استعمال کرتا ہے، جو چیز چھپائی گئی اس کا کسی بھی طرح اظہار الفاظ میں بھی مناسب نہیں سمجھا گیا، البتہ کہیں فقہی ضرورت کے لیے اس کو واضح کرنا اگر ضروری ہوا تو کیا گیا۔

آنحضور ﷺ کا اسوۂ شریفہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ انتہائی شرم وحیا والے تھے، (۱) امت کے لیے یہی نمونہ ہے۔

(۱) ملاحظہ ہو: البخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبي: ۳۵۶۲

فحش گوئی کا دوسرا مظہر غیض وغضب کے وقت ہوتا ہے، آدمی بھول جاتا ہے کہ وہ کیا بک رہا ہے، سب وشتم پر اتر آتا ہے، گالی گلوج شروع کر دیتا ہے، یہ بھی فحش گوئی ہی میں شامل ہے:

"سباب المسلم فسوق" (۱) کہا گیا ہے، (مومن کو گالی گلوج کرنا گناہ کی بات ہے) آدمی آگے بڑھتا ہے تو ماں باپ کی گالی دیتا ہے، مخفی عیوب کی پردہ دری کرتا ہے، چیختا ہے اور چلاتا ہے، اللہ تعالیٰ سب برائیوں کو انتہائی ناپسند فرماتا ہے ارشاد ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعاً عَلِيماً﴾ (النساء: ۱٤۸)

(اللہ (کسی کی) بری بات کا چرچا پسند نہیں فرماتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ خوب سنتا جانتا ہے)

کوئی مظلوم ہے تو یقیناً اس کو اپنی بات پہنچانے کا اور بآواز بلند اس کو کہنے کا حق ہے۔

بدزبانی آدمی کو مبغوض بنا دیتی ہے، اس کو معاشرتی زندگی کے فوائد سے محروم کر دیتی ہے۔

(۱) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب: ٦٠٤٤

مالی بیماریاں

☆ دنیا کی محبت
☆ حرص وطمع
☆ بے ایمانی اور خیانت
☆ ناپ تول میں کمی
☆ سود
☆ رشوت
☆ وراثت کی غیر شرعی تقسیم

دنیا کی محبت

اس وقت جو مرض اس امت کو گھن کی طرح لگ گیا ہے اور اس کو چاٹتا چلا جا رہا ہے، وہ دنیا کی محبت ہے، یہ آنحضور ﷺ کی ایک پیشین گوئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"فواللہ لا الفقر أخشی علیکم ولکن أخشی علیکم أن تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوها کما تنافسوها وتهلککم کما أهلکتهم"(۱)

(مجھے تم پر فقر کا اندیشہ نہیں ہے، مجھے اندیشہ اس بات کا ہے کہ دنیا تمہارے لیے کھول دی جائے گی، جیسے گذشتہ امتوں پر کھول دی گئی ہے اور جس طرح اس نے ان کو ہلاک کیا وہ تم کو بھی ہلاک کر دے گی)

یہ اندیشہ ایک حقیقت بن کر سامنے آ رہا ہے، کیا خاص کیا عام کیا

(۱) البخاری، کتاب الجزیة، باب الجزیة والموادعة.....: ۳۱۵۸

پڑھا لکھا اور کیا جاہل، ہر شخص اس کے دام محبت میں گرفتار ہے، اور اس کے لیے ہر طرح کی تدبیریں اختیار کی جارہی ہیں، پھر کوئی نہیں دیکھتا کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے، اور اس کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑیں گے، حد یہ ہے کہ دین دار طبقہ بھی عام طور پر مختلف بہانوں سے اس کا شکار ہوجاتا ہے، اور پھر آہستہ آہستہ دین کی حقیقت دلوں سے نکلتی جاتی ہے۔

یہ ایسا مرض ہے کہ ہر گناہ کی جڑ ہے، کہا جاتا ہے:

"حب الدنیا رأس کل خطیئة"(۱)

(دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے)

پھر آدمی حق تلفی کرتا ہے، رشوت لیتا ہے، ناپ تول میں کمی کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے اور نہ جانے کیا کیا کرتا ہے، اور صرف دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر وہ اپنا ایمان بیچنے کو تیار ہوجاتا ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"بادروا بالأعمال فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مؤمنا ویمسی کافرا أو یمسی مؤمنا ویصبح کافرا یبیع دینه بعرض من الدنیا"(۲)

(۱) جامع الأصول فی أحادیث الرسول، الفصل الأول فی ذم.: ۲۶۰۳

(۲) مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی المبادرة بالأعمال: ۳۲۸

(اعمال میں جلدی کرو فتنے آنے والے ہیں، سیاہ رات کی ٹکڑیوں کی طرح، ایک وقت آنے والا ہے کہ آدمی صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا، شام کو مؤمن ہوگا تو صبح کو کافر ہو جائے گا، وہ دنیا کے چند ٹکڑوں کی خاطر اپنا دین بیچ دے گا)

دنیا کی محبت آنکھوں کو خیرہ کر دے گی اور وہ یہ بھول جائے گا کہ اللہ کے یہاں یہ کس قدر بے قیمت ہے، حدیث میں ارشاد ہے کہ دنیا اگر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اپنے منکروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا، اور قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہے کہ آدمی پڑھے تو اس کی آنکھیں کھل جائیں، اللہ کے نزدیک دنیا کی حقیقت کیا ہے:

﴿وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ☆ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ☆ وَزُخْرُفًا وَإِن كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (الزخرف: ۳۳-۳۵)

(اور اگر یہ (خیال) نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی ملت (کفر) پر آجائیں گے تو ہم ضرور رحمٰن کا انکار کرنے والوں کے لیے ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا کر دیتے اور

زینے بھی جن پر وہ چڑھا کرتے ہیں، اور ان کے گھروں
کے دروازے اور مسہریاں جن پر وہ ٹیک لگاتے ہیں، اور
سونے کا کر دیتے جبکہ یہ سب کچھ نہیں بس صرف دنیا کی
زندگی کے سامان ہیں اور آپ کے رب کے نزدیک آخرت
پرہیزگاروں کے لیے ہے)

دنیا کی قیمت ہے تو اس لیے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے، وہاں کی تیاری کا پلیٹ فارم ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ کی پوری زندگی فقر میں گذری، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم تین تین چاند دیکھ لیتے تھے اور ہمارے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا، (۱) جب کہ یہ دور مدینہ منورہ کا ہے، فتوحات کا زمانہ تھا، مگر حضور ﷺ کو یہ کب گوارہ تھا کہ کچھ رہ جائے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز کے بعد سلام پھیرتے ہی تیزی سے گھر تشریف لے گئے، واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں سونے کا ایک ٹکڑا رکھا ہے، مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ وہ ہمارے گھر میں رہے اور صدقہ نہ دے دیا جائے۔ (۲)

آپ ﷺ نے اپنی اولاد کے لیے بھی فقر ہی پسند فرمایا، اور دعا کی:

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب.....: ۷۶۳۹

(۲) البخاری، کتاب الأذان، باب من صلی بالناس فذکر حاجة: ۸۵۱

"اللهم اجعل رزق آل محمد قوتا"(۱)

اور ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول مجھے آپ سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"فأعد للفقر تجفافا"(۲)

(ایسا ہے تو فقر کے لیے ڈھال تیار کرلو)

امت کی تباہی کے اسباب میں سے آپ ﷺ نے حب دنیا کا ذکر فرمایا ہے، ایک حدیث میں فرمایا:

ایک وقت آئے گا کہ قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے پیالہ پر بھوکے ٹوٹ پڑتے ہیں، ہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! کیا ہماری تعداد اس وقت بہت کم ہوجائے گی؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تمہاری تعداد بہت ہوگی، لیکن سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دلوں سے رعب ختم کردے گا، اور تمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دے گا، اور وہ بزدلی دنیا کی محبت اور موت سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوگی۔(۳)

یہ حدیث پوری طرح آج ہمارے حالات پر صادق آتی ہے، دنیا

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی الکفاف والقناعۃ: ۲٤۷٤

(۲) سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی فضل الفقر: ۲۵۲۳

(۳) أبی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الأمم علی....: ٤۲۹۹

میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہے جو کبھی نہیں رہی، مگر دنیا کی قومیں مسلمانوں پر ٹوٹی پڑ رہی ہیں، مسلمانوں میں کمزوری ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ لگتا ہے کہ ان کے بس میں کچھ نہیں، یہ صرف دنیا کی محبت کا نتیجہ ہے۔

مال کو قرآن مجید میں برا نہیں کہا گیا، اس کو خیر کہا گیا، مگر جب ہی کہ وہ اپنی جگہ استعمال ہو، کسی عارف نے کہا کہ مال کی جگہ دل نہیں ہے، جب بھی وہ دل میں آئے گا تو اس میں تعفن پیدا ہوگا اور حالات بگڑیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت سماج کے بگاڑ میں بڑا ہاتھ اسی مرض کا ہے، اسی کے نتیجہ میں آدمی حق تلفیاں کرتا ہے، وراثت میں حق مارتا ہے، مشترک کاروبار میں دوسرے کا حق ادا نہیں کرتا، خیانت کرتا ہے، اس سے دلوں میں دراڑیں پڑتی ہیں اور لڑائی جھگڑے کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

یہ ایسا مرض ہے کہ اگر علاج نہ کیا جائے تو بڑھتا جاتا ہے، انسان ایسا لالچی اور بخیل بن جاتا ہے کہ پھر یہ مثل اس پر صادق آتی ہے کہ چڑی جائے دمڑی نہ جائے، حدیث میں اس کی مثال پیش کی گئی ہے:

"مثل البخیل والمنفق کمثل رجلین، علیهما جبتان من حدید، من ثدیهما الی تراقیهما، فأما المنفق فلا ینفق الا سبغت علی جلده حتی تخفی بنانه وتعفو

أثره، وأما البخيل فلا يريد أن ينفق شيئا الا لزقت كل حلقة مكانها، فهو يوسعها ولا تتسع" (۱)

(بخیل وسخی کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جس پر لوہے کی دو زرہیں ہوں، گلے سے سینے تک، جہاں تک خرچ کرنے والے سخی کا تعلق ہے تو وہ جب خرچ کرتا ہے، وہ اس کے جسم پر کشادہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس کی انگلیاں چھپ جاتی ہیں اور اس کے نقش پا مٹنے لگتے ہیں، اور جہاں تک بخیل کا تعلق ہے تو وہ جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی کڑیاں اپنی جگہ پر اور سخت ہو جاتی ہیں، پھر وہ ان کو کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتیں)

دنیا کی محبت ایسی ہوتی ہے کہ آدمی کو اندھا کر دیتی ہے، اس کو صرف پیسہ نظر آتا ہے، دوسروں کے حقوق اس کو یاد نہیں رہتے، اور پھر اس کے نتیجہ میں نفسی نفسی کا حال پیدا ہو جاتا ہے۔

دنیا کی محبت انسان کو ہر چیز سے غافل کر دیتی ہے، یہاں تک کہ آدمی پھر خود فراموش ہو جاتا ہے، اس کو روپیوں پیسوں کا شمار کرنا اور اس

(۱) البخاری، کتاب الزکاۃ، باب مثل المتصدق والبخیل: ۱۴۴۳

کا حساب یاد رہ جاتا ہے، اس کو پھر اپنا بھی خیال نہیں رہ جاتا۔

اسی مرض کے نتیجہ میں لالچ پیدا ہوتی ہے، آدمی بخیل ہو جاتا ہے اور پھر کبھی ایسی نوبت بھی آتی ہے کہ وہ چوری ڈکیتی پر آمادہ ہو جاتا ہے، قتل کر دینا بھی اس کے لیے چند ٹکوں کی خاطر آسان ہو جاتا ہے، حاصل یہ کہ یہ مرض ہزار امراض کا پیش خیمہ ہے۔

حرص وطمع

حرص ایسا مرض ہے کہ اس کا کوئی مداوا نہیں، حریص کی پیاس کبھی نہیں بجھتی، حدیث میں آتا ہے کہ

"منهومان لا يشبعان؛ منهوم في العلم لا يشبع ومنهوم في دنيا لا يشبع"(۱)

(دو حریص ایسے ہیں کہ ان کی پیاس کبھی نہیں بجھتی، ایک علم کا حریص اور ایک مال کا حریص)

انسان کے اندر جب لالچ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ہل من مزید کا نعرہ لگاتا رہتا ہے، حدیث میں آتا ہے:

"لو كان لابن آدم واديا من ذهب أحب أن يكون له واديان، ولن يملأ فاه الا التراب ويتوب الله على من تاب"(۲)

(۱) المستدرك للحاكم، كتاب العلم: ۳۱۲

(۲) البخاري، كتاب الرقاق، باب ما يتقى من فتنة المال: ٦٤٣٩

(انسان کو اگر سونے کی پوری وادی مل جائے تو وہ تمنا کرے گا کہ دو وادیاں ہو جائیں اور اس کا منہ مٹی ہی سے بھر سکتا ہے، اور جو توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے)

انسان کے اندر لالچ پیدا ہو جائے تو اس کو بڑے خیر سے محروم کر دیتی ہے، وہ خرچ بھی نہیں کر پاتا، بخل لالچ کا لازمہ ہے، ایسا انسان لوگوں سے دور ہو جاتا ہے، سب اس سے پناہ مانگتے ہیں، اور وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

(الحشر: ۹)

(اور جو بھی اپنے جی کی لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں)

عام طور پر گھر کی بربادی کا بھی یہ ذریعہ بنتی ہے، آدمی انتہائی بخل سے کام لیتا ہے اور روز لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، پھر لالچ صرف یہی نہیں کہ اپنے مال کو خرچ کرنا نہیں چاہتا، بلکہ اس کی نگاہ دوسروں کے مال پر ہوتی ہے کہ سب کچھ اسی کو مل جائے، ایسا شخص انتہائی خود غرض بن جاتا ہے، بلکہ اسلام احسان و ایثار کی تلقین جا بجا کرتا ہے، اور ایثار کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

(الحشر: ۹)

(اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں خواہ خود تنگدستی کا شکار ہوں)

کبھی کبھی یہ لالچ آدمی کو ایسی برائیوں پر آمادہ کر دیتی ہے کہ وہ جان لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، تاکہ اس کو دولت حاصل ہو سکے، آنحضور ﷺ نے اس کی برائی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''حرص وطمع سے بچو کہ اسی نے تم سے پہلوں کو برباد کیا، اسی نے ان کو آمادہ کیا کہ انہوں نے خون بہایا، اور حرام کو حلال سمجھا،(۱) یہ صحیح مسلم کی روایت ہے، صحیح ابن حبان اور حاکم میں اس سے زیادہ مفصل ہے، فرمایا: ''حرص سے بچو، کیونکہ اسی نے اگلوں کو اس کی دعوت دی کہ انہوں نے (بے گناہوں کا) خون بہایا، اسی نے اگلوں کو دعوت دی کہ انہوں نے رشتہ کے حق کو کاٹا اور اسی نے اگلوں کو دعوت دی کہ حرام کو حلال سمجھا، (۲) آنحضرت ﷺ نے اپنی ایک

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة، باب تحریم الظلم: ۳۸۷/۲

(۲) ابن حبان و مستدرك حاكم، كتاب الايمان، باب الظلم..: ۱۲/۱

تقریر میں فرمایا: حرص سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں، اسی نے ان کو کہا تو انہوں نے رشتہ کے حق کو کاٹا، اسی نے کہا تو انہوں نے بخل کیا، اسی نے ان کو فسق و فجور کے لیے کہا تو انہوں نے فسق و فجور کیا، (۱) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انسان میں سب سے بری بات کڑھانے والی حرص اور گھبرا دینے والی نامردی ہے، (۲) حریص آدمی اس لیے ہمیشہ غم میں کڑھتا رہتا ہے کہ یہ نہیں ملا وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے، میرے پاس نہیں، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے حرص کو ہمیشہ غم اور کڑھن میں رکھنے والی فرمایا، نسائی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے'' (۳) سبب ظاہر ہے کہ ایمان کامل کا نتیجہ صبر، توکل اور قناعت ہے اور حرص کا نتیجہ بے اطمینانی، بے صبری اور ہوس ہے، ایک دفعہ برائی کے لہجہ میں فرمایا کہ ''انسان بوڑھا ہوتا ہے،

(۱) ابو داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی الشح: ۱/۲۳۸، و حاکم کتاب الزکاۃ، باب ذم الشح: ۱/۴۱۵، و کتاب الایمان، باب الظلم.: ۱/۱۱
(۲) ابن حبان و ابو داؤد، کتاب الجهاد باب الجرأة والجبن: ۱/۳۴۰
(۳) نسائی، کتاب الجهاد، باب فضل من عمل فی سبیل الله: ۲/۴۵

مگر اس کی دو چیزیں جوان رہتی ہیں، جینے کی خواہش اور مال کی حرص" (۱) کئی صحابیوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھیڑیئے جو بکریوں کے جھنڈ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ ان کو اتنا برباد نہیں کرتے جتنی مال اور جاہ کی حرص انسان کے دین وایمان کو برباد کر دیتی ہے۔(۲)(۳)

(۱) ترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء قلب الشیخ شاب علی حب اثنین: ۱/۵۹، ومستدرك حاکم، کتاب الرقاق، باب قلب الشیخ شاب علی حب طول الحیاة والمال: ٤/۳۲۸

(۲) ترمذی، کتاب الزهد، باب: ۲/٦۳، صحیح ابن حبان و طبرانی و ابو یعلی و بزار بحواله الترغیب و الترهیب منذری، باب الترغیب فی الزهد فی الدنیا: ۲/۲۳۸ (۳) ماخوذ: سیرۃ النبی: ٦/۴۳۲

بے ایمانی اور خیانت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

(النساء: ۵۸)

(تمہارے لیے اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ تم امانتوں کو امانت والوں تک پہنچادو)

گرچہ یہ حکم عام ہے اور ہر طرح کی امانت وہ مالی ہو یا عملی ہو، ظاہر سے اس کا تعلق ہو یا باطن سے، اس کو ادا کرنے کا حکم ہے، خاص طور پر مال کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ وہ جس کی ملکیت ہو تو اس کو ادا کر دیا جائے، اور بغیر مالک کی اجازت کے اس میں ادنی تصرف کی بھی اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم

بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾

(النساء: ۲۹)

(اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق مت کھاؤ سوائے اس کے کہ آپس کی رضامندی سے کوئی تجارت ہو)

دنیا کا امن وامان اسی سے قائم ہے کہ حدود وقیود متعین ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو دنیا جہنم کدہ بن جائے، جس کا جہاں جی چاہے ہاتھ مارے، اور جو چاہے کرے، اس وقت دنیا میں جو افراتفری کا ماحول ہے، اس کا سب سے بڑا سبب بے ایمانی، بددیانتی اور خیانت ہے، وہ فرد کی سطح ہو یا افراد کی سطح پر یا ملکی سطح پر، سارے جھگڑے، لڑائیاں اسی وجہ سے ہیں، کوئی بھی اپنے حدود میں رہنا نہیں چاہتا۔

اللہ کے نبی ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی ایک بالشت زمین کسی کی ہڑپ کرتا ہے تو وہ کل قیامت میں سات طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالی جائے گی، (۱) کسی کی معمولی چیز بھی بغیر اجازت لینا گناہ بتایا گیا ہے۔ (۲)

(۱) البخاری، کتاب المظالم، باب اثم من ظلم شیئا.....: ۲۴۵۳
(۲) السنن الکبری للبیهقی، کتاب الغصب، باب من غصب لوحا...: ۱۱۸۷۷

یہ خیانت و بے ایمانی کھل کر بھی ہو رہی ہے اور چھپ چھپا کر بھی، اس کے نتیجہ میں دلوں میں سختی بڑھتی جاتی ہے، اور پھر خیر قبول کرنے کی صلاحیت ہی آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے، اور آدمی ڈھٹائی پر آمادہ ہو جاتا ہے، دھوکہ دینے کو فخر سمجھا جانے لگتا ہے، جب کہ ارشاد نبوی ہے:

"من غشنا فليس منا"(۱)

(جس نے ہم مسلمانوں کو دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں)

آپ ﷺ نے اس سلسلہ کی بڑی باریکیاں واضح فرمائی ہیں، ایک مرتبہ آپ ﷺ کا گذر بازار سے ہوا، آپ ﷺ نے غلہ کا ایک ڈھیر پڑا ہوا دیکھا، آپ ﷺ نے ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ وہ اندر سے بھیگا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ غلہ والے نے کہا کہ رات بارش سے بھیگ گیا تھا، اوپر کا خشک ہو گیا، آپ نے فرمایا: نیچے کا اوپر کر دینا چاہیے، تاکہ لوگ دیکھ لیں، جو دھوکہ دے وہ مجھ سے نہیں۔(۲)

کسی بھی طریقہ پر دھوکہ دے کر یا طاقت کے زور پر کسی کا مال لے لینا بد دیانتی ہے، ایسے گناہوں میں سے ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور بغیر ادا کیے یا معاف کرائے معاف نہیں ہوتا، اور اس کا نتیجہ بڑا خطرناک

(۱) مسلم، كتاب الايمان، باب قول النبي من غشنا فليس منا: ۲۹٤

(۲) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب من غشنا فليس منا: ۲۹۵

ہوتا ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا:

"أتدرون ما المفلس، قالوا: المفلس من لا درهم له ولا متاع، فقال: ان المفلس من أمتي يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة ويأتي قد شتم هذا وقذف هذا وأكل مال هذا وسفك دم هذا وضرب هذا فيعطى هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار"(۱)

(جانتے ہو کنگال کون ہے، صحابہ نے عرض کیا: کنگال وہ ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو، نہ سامان ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں کنگال وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوۃ کے ساتھ آئے، لیکن اس حال میں آئے کہ اس کو گالی دے رکھی ہے، اس پر تہمت لگا رکھی ہے، اس کا مال کھایا ہے، اس کا خون بہایا ہے، اس کو مارا ہے، تو اس کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی، پھر جب حساب چکنے سے پہلے نیکیاں ختم ہو جائیں گی، تو ان لوگوں کے گناہ اس

(۱) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم: ٦٧٤٤

کے سر تھوپے جائیں گے پھر جہنم میں پھینک دیا جائے گا)

کتنے لوگ ہیں جو ناحق کسی کی زمین جائیداد، دوکان یا مکان پر قبضہ کر لیتے ہیں، اور مقدمہ بازیاں کرتے ہیں، اور ناحق فیصلوں سے دوسروں کی چیز کے مالک بن بیٹھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی ایسی چیز لیتا ہے تو وہ آگ کا ٹکڑا لیتا ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے، ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۱۸۸)

(اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور نہ مقدمہ حاکموں کے پاس لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ تم ہڑپ کر جاؤ جبکہ تم جانتے ہو (کہ اس میں تمہارا حق نہیں ہے)

اور اگر کوئی کسی کمزور، یتیم بے بس کے ساتھ ایسا کرے تو اس کے گناہ کی شدت اور بڑھ جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ

فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَاراً وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرا﴾ (النساء: ۱۰)
(بلاشبہ جولوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ جہنم سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں اور وہ جلد ہی بھڑکتی ہوئی آگ میں جاپڑیں گے)

ناپ تول میں کمی

خیانت کا ایک نتیجہ ناپ تول میں کمی بھی ہے، یہ ایسا خطرناک مرض ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو اسی لیے بھیجا گیا کہ وہ اس کی اصلاح کریں، اور جب قوم نے بات نہ مانی تو وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

یہ مرض وباء عام کی طرح پیدا ہو گیا ہے، اچھے اچھے لوگ اس میں گرفتار ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ☆ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ☆ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ☆ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ☆ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ☆ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ☆ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ﴾ (المطففین: ۱-۷)

(ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے، جو

لوگوں سے جب ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور
جب ناپ کر یا تول کر ان کو دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں،
کیا ایسوں کو یہ خیال نہیں کہ وہ اٹھائے جانے والے ہیں،
ایک بڑے دن کے لیے، جب لوگ رب العالمین کے
سامنے کھڑے ہوں گے، ہرگز ہرگز یہ نہیں چاہیے تھا یقیناً
گنہگاروں کا اعمال نامہ سجین میں ہوگا)

اس آیت میں ایک طرف ایسے لوگوں کی ہلاکت کا ذکر ہے تو دوسری طرف ان کو فاسق وفاجر بتایا گیا ہے، اور صاف کہہ دیا گیا کہ ایسے لوگوں کے لیے جہنم کا فیصلہ ہے۔

اہل ایمان کو بار بار تاکید ہے کہ وہ ناپ تول میں انصاف سے کام لیں، سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (الاسراء:۳۵)

(اور جب ناپنا تو پورا پورا ناپنا اور صحیح ترازو سے تولنا یہی بہتر ہے اور نتیجہ اسی کا اچھا ہے)

آیت کے آخری حصہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ناپ تول کی کمی سے خواہ شروع میں کچھ فائدہ معلوم ہوتا ہو لیکن دنیا میں بھی اس کا انجام اچھا

نہیں اور آخرت کی سزا اپنی جگہ ہے۔

حاصل یہ کہ اسلام میں صاف ستھری زندگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس میں کوئی خیانت نہ ہو، دھوکہ نہ ہو، کسی کے مال میں ناحق تصرف نہ ہو، یہ چیز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آخرت کی جواب دہی کا احساس بیدار رہتا ہے اور یہی حقیقت میں تقوی کی بنیاد ہے۔

سود

موجودہ دور میں جو بیماریاں وبائے عام کی طرح مسلمانوں میں داخل ہوتی جارہی ہیں، ان میں ایک مہلک بیماری سود کی ہے، مختلف علاقوں میں اگر گھوم پھر کر دیکھا جائے تو ایک بڑی تعداد ان مسلمانوں کی بھی ہے جو علی الاعلان سودی کاروبار میں مشغول ہیں، ان کی غفلت کا حال یہ ہے کہ وعظ وتذکیر کے باوجود ان کو سودی کاروبار کی ہلاکت خیزی کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا، اور کچھ ایسے ڈھیٹ بھی ہیں جو ہر طرح کے حدود وقیود سے مولویوں کی بڑھ کہہ کر اپنا دامن جھاڑ لیتے ہیں، نام اگرچہ ان کا مسلمانوں جیسا ہی ہوتا ہے، لیکن یہ "جدیدیت" کے ایسے دلدادہ ہیں کہ وہ اسلام ہی کی شکل کو مسخ کر دینے کے درپے ہیں، کچھ وہ بھی ہیں جو سود جیسی لعنت کے بارے میں بھی توسع کو درست سمجھتے ہیں، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں جتنے سخت الفاظ فرمائے ہیں اور اس سے متعلق تمام چیزوں کو جس طرح ناجائز فرمایا اور اس کے ہر طرح کے دروازے کو بند کر دیا ہے،

شاید ہی یہ شدت کسی دوسرے مسئلہ میں آپ ﷺ نے اختیار فرمائی ہو، سود کی ایک خاص قسم جو "ربو الفضل" کہلاتی ہے، اس کی حرمت کے اعلان کے وقت آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا:

"انی أخاف علیکم الربا" (۱)

یعنی میں اس کی ممانعت اس لیے کر رہا ہوں کہ مجھے تم پر اس میں سود کا خدشہ ہے۔

اس طرح آنحضرت ﷺ نے ایسے تمام کاروباری لین دین پر پابندی لگادی، جس میں کسی درجہ سود کا شبہ بھی ہوتا ہے۔

دنیا میں بنیادی طور پر دو معاشی نظام جاری ہیں، ایک اشتراکی نظام (Socialism) دوسرے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) اشتراکی نظام بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے، اس میں افراد پوری طرح حکومت کے پابند ہیں، مسئلہ ترجیحات کے یقین کا ہو، یا وسائل کی تقسیم کا، آمد کی تقسیم کا مسئلہ ہو یا ترقی کے مسائل کا، نظام معیشت کے ان چاروں بنیادی مسائل میں حکومت پوری طرح با اختیار ہے، ان میں عوام کو اور کام کرنے والوں کو کوئی اختیار نہیں، کوئی کیسی ہی محنت کرے لیکن اس کو اتنا ہی ملے گا جو حکومت نے اس کے لیے طے کر دیا ہے، یہ بالکل ہی غیر

(۱) کنز العمال: ۲/۲۳۱

فطری نظام تھا، اس لیے یہ تقریباً ناکام ہو چکا، اس کے بالکل برمقابل سرمایہ دارانہ نظام ہے، اس میں آدمی پوری طرح بااختیار ہے، وہ جس طرح چاہے کاروبار کرے اور جیسے چاہے کمائے، نظام معیشت کے چاروں مسائل میں وہ اپنی خواہشات کے مطابق جو چاہے کرے، اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں، یہ دونوں نظام افراط وتفریط کا شکار ہیں۔

اسلامی نظام معیشت نے درمیان کی راہ پیش کی ہے، اس میں بے شک ایک طرف آزادی دی ہے، اور حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں، لیکن حدود و قیود بھی ہیں، ہر وہ کاروبار جس سے اجتماعی طور پر یا انفرادی طور پر نقصان پہنچایا جارہا ہو، اس کو شریعت اسلامی میں ناجائز کہا گیا ہے، اس کی دسیوں مثالیں کتاب وسنت میں موجود ہیں، ان میں سود کا مسئلہ سرفہرست ہے۔

باہمی معاملات اور لین دین کی تمام شکلوں میں اسلام نے سب سے زیادہ سود کے کاروبار پر نکیر کی ہے، اس کے بارے میں قرآن مجید میں جتنے سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں، وہ کم کسی گناہ کے بارے میں ملتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ☆ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ

اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ﴾ (البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو باقی ماندہ سود بھی چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو، اگر تم نہیں مانتے (اور سود میں مشغول رہتے ہو) تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ)

سودی کاروبار کے متعلق صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے:

"لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا و موكله و كاتبه وشاهديه وقال هم سواء"(۱)

(رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں)

ایک روایت میں آتا ہے کہ چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کا جنت میں داخل ہونا ناممکن ہے، ان میں ایک سود خور بھی ہے، ارشاد ہے:

"أربعة حق على الله أن لا يدخلهم الجنة ولا يذيقهم نعيمها؛ مدمن الخمر وآكل الربا وآكل

(۱) مسلم، كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا و موكله: ٤١٧٧

مال اليتيم بغير حق و العاق لوالديه"(۱)

(چار لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کریں گے، اور نہ ان کو جنت کی نعمتوں کا ذائقہ چکھائیں گے: ایک تو عادی شرابی، دوسرے سود کھانے والا، تیسرے ناحق یتیم کا مال اڑانے والا، چوتھے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

"الربا ثلاثة و سبعون بابا، أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه"(۲)

(سود کی تہتر قسمیں ہیں، ان میں سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے)

ایک دوسری روایت میں سود کی سنگینی کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

"درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية"(۳)

(۱) المستدرك للحاكم، كتاب البيوع: ۲۲۶۰

(۲) المستدرك للحاكم، كتاب البيوع: ۲۲۵۹ (۳) مسند أحمد: ۲۲۶۰۰

(سود کا ایک درہم کھانا چھتیس زنا سے زیادہ شدید ہے،
بشرطیکہ اس کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے)

ایک دوسری حدیث میں سود کے عام چلن کو اللہ کے عذاب کو دستک دینے سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

"اذا ظهر الزنا والربا في قرية فقد أحلوا بأنفسهم عذاب الله"(۱)

(جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جائے تو گویا اس بستی والوں نے اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر اتار لیا)

بنیادی طور پر سود کی دو شکلیں بنتی ہیں، ایک شکل تو یہ ہے کہ قرض لے کر اس پر نفع حاصل کیا جائے، اور دوسری شکل یہ ہے کہ جن اموال میں سود کی علت پائی جارہی ہو ان کی باہم ادھار بیع کی جائے، یا ان ہی اموال میں سے ایک ہی جنس کی دو چیزوں کی بیع کم زیادہ کر کے کی جائے، پہلی شکل کو "ربا النسیئة" بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں ادھار دے کر سود وصول کیا جاتا ہے، اور اس کا دوسرا نام "ربا القرآن" بھی ہے، اس لیے کہ اس کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں موجود ہے، ارشاد ہوتا ہے:

(۱) المستدرك للحاكم، كتاب البيوع: ۲۲۶۱

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرة: ۲۷۸)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو باقی ماندہ سود بھی چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو)

آیت میں ما بقی من الربا کے الفاظ اس کی وضاحت کر رہے ہیں کہ سود کی شرح کتنی ہی کم ہو وہ درست نہیں، آگے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد ہے:

﴿وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۲۷۹)

(اگر تم توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہے، نہ تم کسی پر ظلم کروگے اور نہ تم پر کسی کی طرف سے ظلم ہوگا)

آیت شریفہ سے پوری طرح یہ بات سامنے آگئی کہ اصل مال سے بڑھ کر جو بھی لیا جائے وہ ظلم ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر خود آنحضرت ﷺ نے بھی اعلان فرمایا تھا کہ

"ألا أن كل ربا كان في الجاهلية موضوع عنكم كله، لكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون وأول ربا موضوع ربا العباس بن عبد المطلب،

موضوع كله"(۱)(۲)

(اچھی طرح سن لو کہ ہر سود جو جاہلیت میں رائج تھا پوری طرح ختم کر دیا گیا، تمہارے لیے قرض کی اصل رقم ہے، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم ہو، اور سب سے پہلے جو ربا ختم کیا گیا وہ عباس ابن عبدالمطلب کا ربا ہے جو پورے کا پورا ختم کر دیا گیا)

نیز آپ ﷺ نے ربا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قرض جر منفعة وسماه ربا"(۳)

(نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہر اس قرض سے جس سے کوئی نفع حاصل کر لیا جائے اور اس کو ربا بتایا)

یہ سود کی بنیادی شکل ہے، اس کی دوسری شکل دراصل پہلی ہی شکل سے متفرع ہے، اسی دوسری شکل میں چونکہ ایک ہی قسم کو ایک دوسرے سے خریدتے بیچتے وقت کمی زیادتی کی وجہ سے سود ہوتا ہے، اس لیے اس

(۱) التفسير لابن كثير، سورة البقرة: ۱/۴۰۷ (۲) یہی مضمون الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ مزید ملاحظہ ہو: مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، وأبي داؤد و كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ۔

(۳) المبسوط للسرخسي، الجزء الرابع عشر: ۱۴/۶۲

کو "ربا الفضل" کہتے ہیں اور چونکہ اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، اس لیے اس کو "ربا الحدیث" بھی کہتے ہیں۔

سود کی حرمت کی اساس یہ ہے کہ اس میں ایک شخص کو نفع پہنچ رہا ہے لیکن دوسرے کو نقصان، اسلام میں خرید وفروخت کی ایسی تمام قسموں پر پابندی عائد کی گئی جس میں فریقین میں سے کسی کو نقصان پہنچتا ہو، ظاہر ہے کہ جس فریق کو بھی نقصان پہنچ رہا ہو وہ ہوسکتا ہے کہ فوری ضرورت کے پیش نظر اس کو برداشت کرنے پر مجبور ہو جائے لیکن وہ اس قسم کے معاملہ پر کبھی دل سے راضی نہیں ہوسکتا، جب کہ معاملات میں فریقین کی رضا مندی لین دین کی صحت کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾

(النساء: ۲۹)

(اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے مت کھایا کرو، بجز اس کے کہ تجارت ہو آپس کی رضامندی سے)

سود کو جائز اور معاشرہ کی ضرورت قرار دینے والے اس سلسلہ میں عام طور پر دو سوالات اٹھاتے ہیں، ایک سوال تو یہ ہے کہ قرض پر شرح سود کا

نظام ختم کردیا جائے تو ضرورت مندوں کو کہاں سے قرض حاصل ہو سکے گا، اور دوسرا سوال یہ ہے کہ قرض دینے والا اپنی دولت کو خطرہ میں ڈال رہا ہے، اپنی ضرورت روک کر دوسرے کی ضرورت پوری کر رہا ہے، جس رقم سے وہ فائدہ اٹھا سکتا تھا، اس سے وہ دوسروں کو فائدہ پہنچا رہا ہے، تو کیا اس کو یہ بھی اختیار نہیں کہ وہ اپنے مال کا کرایہ وصول کر سکے؟ بلاشبہ ظاہری طور پر یہ سوالات بڑے مضبوط نظر آتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر ذرا بھی غور وفکر سے کام لیا جائے تو اس کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

پہلے سوال میں ظاہری طور پر بڑی ہمدردی کا اظہار معلوم ہوتا ہے کہ ایک فوری اور اشد ضرورت رکھنے والے کی ضرورت اس میں پوری ہو جاتی ہے، اور انسانی معاشرہ میں اس کی بڑی اہمیت ہے، لیکن خود اس سوال پر دو سوالیہ نشان ہیں، ایک بات تو یہ ہے کہ کیا اس کی ضرورت کی تکمیل صرف اسی طرح ممکن ہے کہ اس کو قرض دے کر اس سے اس کا سود وصولا جائے، انسانی رشتہ سے کیا کسی کا کوئی فرض نہیں بنتا؟ ایک انسان بھوکوں مر رہا ہے، کسی کا لاشہ بے گور وکفن پڑا ہے تو کیا کسی دوسرے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟ اسلام کی تعلیمات اس کے بالکل برعکس ہیں، اسلامی نظام کی روح یہ ہے کہ ایسے ضرورت مندوں کا تکفل دوسرے کے ذمہ ضروری ہے، اور اس کی خاص ترتیب ہے، جس کی تفصیل کا یہاں

موقع نہیں، ہاں جن مذاہب میں یا جن قوانین میں حقوق انسانی کا لحاظ نہیں پایا جاتا، ان کے لیے صورت حال بلاشبہ پیچیدہ ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک مسئلہ کو حل کرنے کے لیے دوسرا مسئلہ کھڑا کرلیا جائے تو یہ کون سی عقل مندی ہے؟

گذشتہ سے زیادہ اہم سوالیہ نشان یہ ہے کہ سودی قرض سے اس کے ساتھ ہمدردی کی جارہی ہے یا اس کا گلا گھونٹا جارہا ہے، مسئلہ صرف آج کا نہیں ہے، مسئلہ پورے مستقبل کا ہے، سودی قرض سے اس کا کام پورا ہوگیا، لیکن کیا اس کی ضرورت میں اضافہ نہیں ہوا، ایک سمجھدار انسان اپنے مستقبل کے بارے میں حال سے زیادہ سوچتا ہے، اور اکثر انسانوں کا حال یہ ہے کہ آج کی ضرورتوں کو روک کر کل کے لیے کچھ نہ کچھ سامان کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ مستقبل میں پیش آنے والی ضرورتیں زیادہ اندیشناک بن کر سامنے آتی ہیں، اگر قرض سے فوری ضرورت پوری ہو بھی گئی تو دن بدن جو اس پر سود چڑھتا جارہا ہے، کیا وہ اس کی کمر توڑ دینے کے لیے کافی نہیں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ زہر کا ایسا کیپسول ہے جس پر پلاسٹک کا خوبصورت خول چڑھا ہوا ہے، ایک کیپسول ہی ہلاکت کے لیے کافی ہے، انسان اپنے مرض کا علاج چاہتا ہے، مگر یہ علاج ہی اس کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتا ہے، ہر شہر، ہر قصبہ میں اس کی متعدد مثالیں مل جائیں گی کہ

ضرورت کے لیے سودی قرض لینے والے کیسی سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے، اور در در بھیک مانگتے دیکھے گئے، بلکہ کتنوں نے مصیبت سے تنگ آکر خودکشی کرلی، اور مسئلہ صرف مفلوک الحال لوگوں کا نہیں، بلکہ بہت سے کاروباری قرض لینے والے سود کے نتیجہ میں برباد ہوتے دیکھے گئے ہیں۔

سود کو جائز قرار دینے والوں کا دوسرا سوال بھی ظاہر میں وقیع نظر آتا ہے، لیکن اس سوال پر بھی دو اہم اعتراضات ہیں، ایک تو یہ کہ معاوضہ کس چیز کا طلب کیا جارہا ہے، اگر قرض دینے والے کو اپنے مال کی ہلاکت کا اندیشہ ہے تو اس کا حل ''رہن'' کی شکل میں موجود ہے، مقروض سے وہ کسی معقول چیز کو رہن رکھوا سکتا ہے اور اس طرح خطرہ سے محفوظ ہوسکتا ہے، خطرہ کوئی ایسی متقوم چیز نہیں ہے کہ اس کی قیمت لگائی جاسکے اور متعین کوئی شرح اس کے لیے لاگو کی جاسکے، دوسری بات یہ ہے کہ قرض بجائے خود ایثار کی ایک قسم ہے، قرض دے کر اگر اس کا معاوضہ طلب کرلیا گیا تو یہ ایثار کب رہا، یہ تو حقیقت میں ایک کاروبار بن گیا، کاروبار کی بے شک اجازت ہے، مگر اپنے اصولوں کے ساتھ، اگر قرض دے کر آپ نفع میں شریک ہونا چاہتے ہیں تو یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب قرض لینے والا اس کو کاروبار میں لگائے، ایسی شکل میں یہ قرض نہیں کہلائے گا، بلکہ یہ کاروبار کی شرکت کہلائے گی اور اس میں اگر

آپ نفع میں شریک ہونا چاہتے ہیں تو یقیناً آپ کو نقصان میں بھی شریک ہونا پڑے گا، یہ اسلام کا معاملات کے سلسلہ میں بنیادی اصول ہے کہ "الخراج بالضمان" یا "الغنم بالغرم" جو نفع اٹھا رہا ہے اس کو بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا، نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

اس وقت پوری دنیا سود کے شکنجہ میں جکڑی ہوئی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمایا تھا:

"لیأتین علی الناس زمان لا یبقی أحد الا أکل الربا فان لم یأکله أصابه من بخاره"(۱)

(ایک زمانہ ایسا ضرور آئے گا جس میں ہر آدمی سود کھانے لگے گا، اور اگر کوئی بچے گا بھی تو اس کے غبار سے نہیں بچ سکے گا)

بینک کے نظام نے عالمی سطح پر سود کی لعنت کو اس طرح عام کر دیا ہے کہ شعوری غیر شعوری طور پر آدمی اس میں ملوث ہے، یقیناً جو لوگ احتیاط کرنے والے ہیں وہ بڑی حد تک محفوظ ہیں، اس کے غبار سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ کا خصوصی انعام ہو۔

درحقیقت سود سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے بدترین کاروبار

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبهات: ۳۳۳۳

ہے، جس میں دولت کا ارتکاز ہوتا جاتا ہے، افراد کی سطح، علاقائی اور ملکی سطح سے لے کر عالمی سطح اور حکومتوں کی سطح تک یہ خون چوسنے والا نظام جاری ہے، ایک ساہوکار جس کو سب سے زیادہ مجبور سمجھتا ہے اسی سے سب سے زیادہ شرح سود وصول کرتا ہے، امیر اپنی دولت بڑھاتا ہے، اور اس کا ذریعہ غریبوں کی گاڑھے پسینے کی کمائی بناتا ہے، یہ وہ غیر منصفانہ نظام ہے جس کا احساس کسی نہ کسی درجہ ہمیشہ لوگوں کو ہوتا رہا ہے، اور اس کی اصلاح کے لیے اس میں تبدیلیاں بھی عمل میں لائی جاتی رہی ہیں، قدیم ہندو دور میں ''کوتلیہ'' (Kautaliya) کی تشریح کے مطابق ساتھ فی صدی تک سود کی شرح جائز اور معقول سمجھی جاتی تھی، بعد میں ہندو سماج نے اس کو ظالمانہ شرح قرار دیا، سولہویں صدی کے انگلستان میں دس فیصدی شرح سود کا عام دستور تھا، اور سو سال پہلے تک یورپ میں بھی آٹھ نو فی صدی سود کی شرح رائج تھی، لیکن آج کے دور میں عام طور پر اس کو ظلم سمجھا جاتا رہا ہے، اور زیادہ سے زیادہ شرح تین چار فی صدی رکھی جاتی ہے، تاہم ایسے مہاجن اب بھی پائے جاتے ہیں جن کا کوئی اصول نہیں ہے، ضرورت دیکھ کر وہ شرح سود میں اضافے کرتے رہتے ہیں، اس کی شرح پچاس تک بھی پہنچ جاتی ہے اور حکومتوں کی جانب سے ان کو اس کا جواز بھی فراہم کر دیا جاتا ہے۔

ذرا بھی فہم رکھنے والا انسان اگر غور کرے تو بخوبی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ اصلاً سود کا یہ نظام ہی ظلم پر مبنی ہے، خواہ شرح سود ایک فی صدی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ دولت کے ارتکاز کا سلسلہ شرح سود کے کم ہوجانے سے کم ضرور ہوجاتا ہے مگر ختم نہیں ہوتا، یہ ظالمانہ نظام شخصی طور پر جاری ہے، تنظیمی شکل میں بھی پھیلا ہوا ہے، اور عالمی سطح پر بھی یہ کاروبار چل رہا ہے، ایک ملک دوسرے ملک کو قرض دیتا ہے، بلاشبہ اس کی اپنی فوری ضرورت پوری ہوجاتی ہے، مگر پھر وہ سود کے شکنجہ میں جکڑتا چلا جاتا ہے، عالمی بینک میں جو فی الحقیقت بڑی طاقت کے دباؤ میں ہے، مختلف ممالک کو قرضے دے کر سود لیتا رہتا ہے اور اس وقت دنیا کے اکثر ممالک اس طرح اس کے جال میں پھنس چکے ہیں کہ اس سے نکلنا دشوار سے دشوار تر ہوتا چلا جارہا ہے، خود ہمارے ملک کی بڑی آمدنی سود کی نذر ہورہی ہے، اس کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ بڑی طاقتوں نے دنیا کو اپنے نظام کے تابع بنا رکھا ہے، جن میں سرفہرست امریکہ ہے، جو اس وقت بلاشرکت غیرے بڑی طاقت بن کر ابھرا ہے، اور وہ جس طرح چاہتا ہے اپنے نظریات وافکار اور اپنے نظام کو دنیا کے مختلف ملکوں میں نافذ کرتا ہے، کوئی بھی ملک آسانی سے احتجاج بھی نہیں کرسکتا، اس لیے کہ وہ عالمی بینک کا مقروض ہے اور امریکہ کے دباؤ میں ہے، اور اب تو

''خود اپنے دام میں صیاد آ گیا'' کی مثال اس پر صادق آ رہی ہے، امریکہ کے بڑے بڑے بینک اس وقت دیوالیہ ہو رہے ہیں، اس غیر طبعی معاشی ترقی کی حقیقت سامنے آ رہی ہے، ایک رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۵ء میں کئی لاکھ افراد بے روزگار ہو چکے تھے، اور گاڑی ڈھلوان پر پڑتی ہے تو اس کا روکنا دشوار ترین کام ہوتا ہے، اس کا انجام بربادی ہی کی شکل میں سامنے آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور لوگ اپنی رقمیں محفوظ کرنے کے لیے بینکوں سے جلد از جلد اپنا اماؤنٹ (Amount) کیش کرانے لگتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں یہ مالیاتی ادارے بیٹھ جاتے ہیں، بڑی بڑی حکومتیں بھی ان کو سہارا نہیں دے پاتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کی طاقت بہت بڑی طاقت ہوتی ہے، اجتماعی طور پر ان کے مال کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور حکومتیں تو عوام کی طاقت اور زر سے چلتی ہیں، یہ طاقت متوازن نہ رہ سکے تو حکومتوں کا باقی رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

یہ نظام غیر فطری (Un natural) اگر اس کو نہ بدلا گیا تو دنیا خانہ جنگی کا شکار ہو سکتی ہے اور جنگ عظیم کے بادل بھی اس پر منڈلا رہے ہیں، تجزیہ نگاروں کا اندازہ یہ ہے کہ اگر یہ جنگ چھڑ گئی تو دنیا شاید پھر سے کئی سو سال پیچھے چلی جائے، اور اس کو ترقی کرنے میں سینکڑوں سال

لگ جائیں۔

یہ اسلام کا متوازن اور عادلانہ نظام ہے کہ اس نے معیشت سے اس لعنت کا خاتمہ کردیا، اس لیے کہ اس کی بنیاد ایک کے نفع تو دوسرے کے نقصان پر ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

(اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا)

بے شک کاروبار کی آزادی اللہ نے دی ہے مگر وہ کاروبار کہ جس میں کسی کا نقصان ہوتا ہو یا بنیادی طور پر اس میں کوئی اخلاقی خرابی ہو تو اسلام ایسے کاروبار کی اجازت نہیں دیتا ہے، دوسری جگہ سود کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾

(البقرة: ۲۷۶)

(اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے)

آخرت کی زندگی میں سود کے نقصانات تو ظاہر ہیں، دنیا کی زندگی میں اگرچہ ظاہری طور پر اس میں فائدہ نظر آرہا ہو، لیکن حقیقت میں ایسا نقصان ہے جس کا اثر پورے معاشرہ پر پڑتا ہے، اور پھر خود سود لینے والا بھی اس سے بچ نہیں سکتا ہے۔

رشوت

اس وقت عمومی بیماریوں میں رشوت ایسی بیماری ہے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ اس میں مبتلا ہے، افسوس یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس کو مختلف ناموں سے جائز کر لیتے ہیں، اور تنخواہ کے علاوہ بالائی آمدنی کا ایک ذریعہ نکال لیا گیا ہے، جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

"الراشی والمرتشی فی النار"(۱)

(رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں)

رشوت کی ایک بدترین قسم وہ تھی جس میں یہود و نصاریٰ مبتلا تھے، وہ رشوت لے کر احکامات میں ردوبدل کر دیا کرتے تھے، قرآن مجید نے ان کی اس انتہائی بدترین حرکت کا ذکر کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَناً قَلِيْلاً أُولٰئِكَ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ

(۱) المعجم الصغیر للطبرانی: ۵۸

بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (البقرة: ١٧٤)

(یقیناً جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور تھوڑی قیمت میں اس کا سودا کر لیتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

حدیث میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ

"لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع"(۱)

(تم سابقہ امتوں کی پیروی قدم بقدم کرو گے)

آج امت میں ایسا طبقہ پیدا ہوگیا ہے جو رشوت لے کر دینی احکامات میں ہیر پھیر کر دیتا ہے، کتنے نام نہاد علماء ہیں جو رقمیں لے کر نمازیں معاف کر دیتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا خرافات کرتے ہیں اور نذرانے وصول کرتے ہیں، یہ رشوت کی انتہائی گھناؤنی قسم ہے۔

رشوت کی دوسری قسم وہ ہے کہ ذمہ دار اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتا اور رشوتیں لے کر کام کیے جاتے ہیں، اور اس میں بھی دو شکلیں اس وقت

(۱) البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني...: ٣٤٥٦

عام ہیں، ایک شکل تو یہ ہے کہ جو حق دینا ہے وہ بغیر رشوت کے نہیں دیا جاتا، اور دوسری شکل یہ ہے کہ جس کا حق نہیں اس سے رشوت لے کر دوسرے کا حق اس کو دیا جاتا ہے، دونوں ہی شکلیں ناجائز ہیں، لیکن دوسری شکل کی شناعت بہت بڑھی ہوئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۱۸۸)

(اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور نہ مقدمہ حاکموں کے پاس لے جاؤ تاکہ لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ تم ہڑپ کر جاؤ جبکہ تم جانتے ہو (کہ اس میں تمہارا حق نہیں ہے)

رشوت لینا تو حرام ہے ہی، رشوت دینا بھی ناجائز ہے، البتہ اگر ظالموں سے اپنا حق وصول کرنے کے لیے لین دین کیا جائے تو ضرورت کے وقت اس کی اجازت دی گئی ہے کہ آدمی کچھ دے کر اپنا حق وصول کرے، لیکن اس میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے، اس کا معمول بنالینا مناسب نہیں۔

دفاتر میں رشوت ایک وبائے عام کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، انتہاء

یہ ہے کہ دین داروں میں بھی یہ بیماری پیدا ہورہی ہے اوران کو اس کا خیال نہیں کہ یہ بڑے گناہوں میں سے ہے، رشوت کھانے والا حرام کھاتا ہے۔

تحائف وہدایا کی نوعیت یقیناً الگ ہے، لیکن وہاں بھی خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ دینے والے کی کوئی غرض تو وابستہ نہیں ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہدیہ دینے کے بعد آدمی اپنا کوئی کام بھی بتادیتا ہے، مناسب ہے کہ ایسے موقعوں پر ہدیہ واپس کردیا جائے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مشہور قول ہے:

(كانت الهدية في زمن رسول ﷺ هدية واليوم رشوة)(۱)

(نبی ﷺ کے زمانہ میں ہدیہ ہدیہ ہوتا تھا اور آج رشوت ہے)

آدمی سوچے کہ حرام مال کا ایک لقمہ بھی اگر حلق کے نیچے جاتا ہے تو وہ آگ کا انگارہ ہے، اور پھر اس حرام مال سے جسم کی جو پرورش ہوتی ہے، اس کا کیا نتیجہ نکلے گا، پھر دعائیں رد کردی جاتی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ بندہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے مگر کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام تو کہاں سے دعائیں قبول ہوں گی۔(۲)

پھر بچوں کی ایسی حرام مال سے اگر پرداخت ہوئی تو ان سے کس خیر کی امید کی جائے؟!

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب من لم يقبل الهدية لعلة

(۲) شعب الايمان للبيهقي، الفصل الثالث في ذم كثرة الاكل: ۵۳۵۳

وراثت کی غیر شرعی تقسیم

واقعہ یہ ہے کہ امت کے بگاڑ کے دو بڑے اسباب ہیں، ایک زبان کی حفاظت نہ کرنا اور دوسرے وراثت کی غیر شرعی تقسیم، عام طور پر جھگڑوں اور مقدمہ بازیوں کے پیچھے دیکھا جائے تو یہ دو اسباب نظر آتے ہیں۔

وراثت کی تقسیم کو لوگوں نے غیر ضروری سمجھ لیا ہے اور لڑکیوں کو حصہ نہ دینا ایک عام بات ہوگئی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نظام وراثت کو ایک جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے، ایسی وضاحت و تقسیم نماز و روزہ کی بھی ایک جگہ نظر نہیں آتی جو تقسیم وراثت کی نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو جس کا حق بیان فرمادیا وہ اس کا حق ہو چکا، اب اگر کوئی وہ حق نہیں ادا کرتا تو وہ خائن ہے، بلکہ اس کو اگر ڈاکو کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو، اس لیے کہ اس میں چوری کے ساتھ سینہ زوری بھی دکھائی جاتی ہے۔

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ بہنیں اپنا حق نہیں لیتیں، یہ ایک سماجی دباؤ ہے، دینے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود حساب لگا کر جس کا جو حق بنتا ہے وہ جا کر پہنچا دے یا بلا کر دے دے۔

سماج کے بگاڑ اور شریعت پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو لڑکیوں کو وراثت میں حق نہیں دیا جاتا اور دوسری طرف جہیز کے نام پر نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے، برادر مخدوم و معظم مولانا عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سناتے تھے کہ وہ کہیں نکاح پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے، دولہا کو آنے میں دیر ہوئی، تو معلوم ہوا کہ اس کی بہن سرمہ لگائی کے نام پر ایک بھینس مانگ رہی ہے، مولانا نے پوچھا کہ والد کے انتقال کے بعد بہن کو وراثت میں حق دیا گیا؟ انہوں نے بتایا کہ بھائی نے حق نہیں دیا، مولانا نے فرمایا کہ حساب لگاؤ کتنا حق بنتا ہے، پتہ یہ چلا کہ ایک بھینس اس کو شرعی وراثت میں ملنی چاہیے تھی جو نہیں دی گئی، اب وہ غلط طریقہ پر اس کو وصول کرنے کے چکر میں ہے، آغاز بھی غلط انجام بھی غلط۔

پھر مسئلہ صرف بہنوں کا نہیں، اب حال یہ ہے کہ جو بھائی طاقتور ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ سب اسی کو مل جائے، کم از کم جتنے حصے پر اس کا ظاہری طور پر قبضہ ہے، اس کو وہ اپنا ہی سمجھتا ہے اور اس میں اور حصہ داروں کو دینا نہیں چاہتا ہے، یہ اس وقت بڑا سماجی مسئلہ ہے، اور اس کے نتیجہ میں آپس

کے جھگڑے، مقدمہ بازیاں یہاں تک کہ قتل تک بات پہنچ جاتی ہے۔

اس بیماری پر خاص توجہ کی ضرورت ہے، اور بہتر یہ ہے کہ انتقال کے بعد ہی قرض وغیرہ کی ادائیگی کے بعد وراثت شریعت کے مطابق تقسیم کردی جائے، اس میں جتنی تاخیر ہوتی ہے، مسائل بڑھتے جاتے ہیں اور پھر تقسیم میں بھی بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

قرآن مجید میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے، ارشاد ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ☆ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن

كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ (النساء: ۱۱-۱۲)

(اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر دو سے اوپر صرف عورتیں ہیں تو (مورث) جو چھوڑ جائے اس کا دو تہائی ان کا ہے اور اگر صرف ایک ہی عورت ہے تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے اور ماں باپ میں سے دونوں کے لیے اگر (مورث کے) اولاد ہے تو چھٹا حصہ ہے اور اگر اولاد نہیں ہے اور صرف ماں باپ ہی وارث ہیں تو ماں کا تہائی حصہ ہے اور اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے یہ (ساری تقسیم) اس وصیت کے نفاذ کے بعد ہوگی جو وہ کر گیا ہے اور قرض کی ادائیگی کے بعد، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹوں میں تم

نہیں جانتے کہ تمہارے لیے نفع بخش کون زیادہ ہے، یہ اللہ کی طرف سے لازم کردہ ہے بیشک اللہ خوب جاننا بڑی حکمت رکھتا ہے، اور جو کچھ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کے اولاد نہ ہو تو تمہارا آدھا ہے اور اگر ان کے اولاد ہو تو وہ جو بھی چھوڑ جائیں اس کا چوتھائی تمہارا ہے اس وصیت (کے نکال لینے) کے بعد جو وصیت وہ کر جائیں یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد اور تم جو چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو، اور اگر تمہارے اولاد ہو تو تم جو بھی چھوڑ جاؤ اس کا آٹھواں حصہ ان کا ہے، اس وصیت (کو نکالنے) کے بعد جو وصیت تم کر جاؤ یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد، اور اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت، ایسا ہو کہ اس کے اصول وفروع نہ ہوں اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے اس وصیت (کے نفاذ) کے بعد جو کی جا چکی ہے یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد کسی کو نقصان پہنچائے بغیر، یہ اللہ کی طرف سے ایک تاکیدی حکم ہے اور

اللہ خوب جانتا ہے، بہت تحمل والا ہے)

یہ دونوں میراث کی آیتیں کہلاتی ہیں ان میں میراث کے حقوق کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، بتایا گیا ہے کہ بقیہ دو تہائی باپ کا ہوگا، اور یہ اسی صورت میں ہے جب اولاد نہ ہو، باقی یہ پانچ میراثیں بیان فرمائی گئیں اور یہ سب ''ذوی الفروض'' یعنی متعین حصہ والے کہلاتے ہیں پھر اگر کچھ بچتا ہے تو وہ عصبہ کا ہوگا اور عصبہ سے مراد مرنے والے کے قریب ترین مرد ہیں، جن کے حصے آیتوں میں متعین نہیں کیے گئے مثلاً بیٹے، بیٹیاں اگرچہ براہ راست عصبات میں شامل نہیں ہیں لیکن بیٹوں کے ساتھ مل کر وہ عصبات میں شامل ہوجاتی ہیں، اس صورت میں شروع آیت ہی میں یہ ضابطہ بتادیا گیا ہے کہ مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا، اسی طرح اولاد نہ ہو اور بہن بھائی ہوں تو بھی اسی طرح تقسیم ہوگی جس طرح اولاد میں ہوتی ہے، تقسیم انصاف کے ساتھ کی جائے، کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اسی طرح مورث کو بھی چاہیے کہ وہ مرنے سے پہلے کوئی ایسی وصیت نہ کر جائے جس سے کسی کو نقصان پہنچتا ہو، چنانچہ ورثہ میں کسی کے لیے وصیت کرنے کی اجازت نہیں ہے، شریعت نے جو جس کا حق رکھا ہے وہ ملے گا، اسی طرح کسی دوسرے کے لیے بھی تہائی مال سے زیادہ میں وصیت کرنا مناسب نہیں ہے، کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ

اوپر کوئی ہو نہ نیچے۔

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (النساء: ۱۷۶)

(وہ آپ سے حکم پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تم کو ''کلالہ'' کا حکم بتاتا ہے اگر کوئی شخص مرجائے اس کے اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو جو بھی اس نے چھوڑا اس میں سے وہ آدھے کی حقدار ہوگی اور (اگر بہن پہلے مرجائے تو) وہ (بھائی) اس کا وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں تو وہ جو بھی چھوڑ جائے اس کا دو تہائی ان کا ہوگا اور اگر کئی بھائی بہن ہیں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی تو مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے اللہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے کہ بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے)

شروع سورت میں کلالہ کی میراث بیان ہو چکی ہے، صحابہ نے اس کی تفصیل پوچھنی چاہی تو یہ آیت اتری کہ کلالہ وہ ہے جس کے نہ اولاد ہو نہ باپ ماں ہوں، اب اگر اس کے بھائی بہن ہیں تو ان کو اسی تفصیل سے ملے گا جس تفصیل سے اولاد کو ملتا ہے، صرف ایک بھائی ہے تو اس کو پورا، اگر صرف ایک بہن ہے تو اس کو آدھا، اگر کئی بہنیں ہیں تو ان کو دو تہائی اور اگر بھائی بھی ہیں اور بہن بھی ہیں تو بھائی کے دو حصے اور بہن کا ایک حصہ، اسی طرح اگر بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو بھائی عصبہ ہو کر وارث ہوگا۔